ماھنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

June 2026

مُدیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) بابت ماہ: ذی الحجہ ومحرم ۱۴۴۷ھ مطابق: جون ۲۰۲۶ء شمارہ (۱۲)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر وپبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سُوْرَۃُ الْحَاقَّۃ	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
مقالات ومضامین:		
یوم عاشوراء کی فضیلت	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۹)
فرد کی اصلاح کے قرآنی اصول	مولانا زبیر احمد صدیقی	(۱۲)
غرق فرعون کے لئے سمندر...	مولانا محمد ناصر ندوی	(۱۷)
دینِ اسلام کے تصورات	مولانا عبدالمتین	(۲۱)
شاہ عبدالقادر رائے پوری...	عمر فاروق ندوی فتحپوری	(۲۶)
نئے دور کا ہسٹریا	مولانا عبدالماجد دریابادی	(۳۳)
اپنی اولاد کو عیش پسند نہ بنائیں	مولانا ناصر الدین مظاہری	(۳۴)
سائنس اور قرآن	مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی	(۳۶)
زمزم: فضیلت، اہمیت اور فوائد	مولانا عظیم اللہ	(۳۸)
فقہ وفتاوی	مفتی محمد ریحان گودھروی	(۴۴)
افسانہ		
قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ان فتنوں کے ظاہر ہونے سے پہلے، نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو، جو اندھیری رات کی طرح چھا جائیں گے، صبح آدمی ایمان والا ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو ایمان والا ہوگا اور صبح کافر اور دنیوی نفع کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔)

یہ حدیث بڑی عبرت آموز اور دل دہلا دینے والی ہے۔ اس میں آپ علیہ السلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے امت کو بتا دیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا میں اچھائی اور ہدایت کی روشنی دکھائی نہیں دے گی۔ ہر چہار جانب طرح طرح کے فتنے اور برائیاں ہوں گی اور آدمی ان فتنوں میں اتنی آسانی سے مبتلا ہو جائے گا کہ منٹوں اور گھنٹوں کے حساب سے اس کا ایمان رخصت ہونے لگے گا۔ یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ مسلمان تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد وہ کافر ہو چکا ہوگا۔

غور وفکر سے دیکھا جائے گا اور حالات کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ دور آ گیا ہے اور موجودہ دور، وہی دور ہے جس کی جانب حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے، ہر طرف آپ کو ایسی چیزیں نظر آئیں گی، جو ایمان پر ڈاکہ ڈالنے والی ہیں۔ کفر وشرک کا غلبہ اور ساتھ ہی اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے، عہدہ ومنصب اور شہرت ودولت کی لالچ دے کر مسلمانوں کو مرتد بنانے کی باقاعدہ مہم، پھر ہر طرف پھیلی ہوئی ایمان واخلاق کو برباد کرنے والی چیزیں: ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، سنیما ہال، نائٹ کلب، ڈانس بار، اور شراب وشباب کے بڑے بڑے اڈے، کیا کھلے عام دعوت گناہ اور دعوت کفر وشرک نہیں دے رہے ہیں۔ نکاح مشکل ہو گیا ہے اور زنا آسان، حلال مال ملنا دشوار ہے، جب کہ حرام کے دروازے ہر طرف کھلے ہوئے، اس ماحول میں ایمان کی حفاظت اور اعمال صالحہ پر مداومت کس قدر مشکل ہے اس کا اندازہ اہل ایمان ہی لگا سکتے ہیں۔

یہ تو وہ صورت حال ہے، جو غیروں کی طرف سے معاشرے پر مسلط ہے، اور اسے خارجی فتنہ کہا جا سکتا ہے، لیکن ایک دوسرا فتنہ بھی ہے، جو بدعقیدہ اور گمراہ، نام نہاد پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے پھیل رہا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے نام نہاد اسکالر اور اس بات کے مدعی کہ وہ دین کا صحیح علم رکھتے ہیں، صرف شہرت ودولت کی حرص میں، سوشل میڈیا

کے ذریعہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کررہے ہیں، اور ایسے ایسے دعوے کرتے ہیں یا قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کا ایسا مطلب بیان کرتے ہیں، جو ماہرین قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے، اور اس کے نتیجہ میں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہی جو ان کی باتیں سنتے یا مانتے ہیں۔

چنانچہ کوئی گمراہ، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجیت کا انکار کرتے دیکھائی دیتا ہے، تو کوئی قرآن وحدیث سے مستنبط فقہ اسلامی پر معترض ہے، کوئی دین کو مولویوں کا گڑھا ہوا بتاتا ہے، پھر آگے بڑھ کر کوئی اس بات کا مدعی نظر آتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہے اور پوری امت پر واجب ہے کہ اس کی اتباع کرے، کوئی اس بات کو ثابت کرنے میں لگا ہے کہ وہ امام مہدی ہے اور پوری امت کو اس کی امامت قبول کر لینی چاہئے، تو کوئی مجتہد وقت اور مجدد وقت بننے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے، اور اس سب مقصد کے لیے قرآن وحدیث کی غلط وباطل تاویلات کرتا ہے۔

چوں کہ یہ سب دین کے نام پر کیا جارہا ہے اور اس دعویٰ کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہی حق ہے، اور جو اس کے خلاف ہے وہ ناحق ہے اور جو میری باتوں کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔ اس لیے ایک عام انسان اور علوم قرآن وحدیث سے ناواقف شخص کے لیے یہ فیصلہ مشکل ہوجاتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا باطل، اور وہ آسانی سے اس گمراہ کی، باتوں میں پھنس جاتا ہے۔ ان مدعیان میں سے بعض کے دعاوی اور قرآن وحدیث میں ان کی طرف سے کی ہوئی تاویلات، کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، اس لیے جو ایسے لوگوں کو حق جانے گا اور ان کی اتباع کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔

ایسی صورت حال میں ان دین کے ڈاکوؤں سے اپنے ایمان کو بچانے کی فکر کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ نیک وصالح اور متبع سنت وشریعت علماء سے رابطہ رکھا جائے، اور سوشل میڈیا پر جو کچھ سنا جائے اس پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ ہر مسئلے کی یا نئی بات کی پہلے علماء سے تحقیق کر لی جائے، اس کے بعد عمل کیا جائے۔

الحاصل یہ دور، دور فتن ہے، ایسے دور میں، جان ومال، عہدہ ومنصب اور شہرت وناموری سے زیادہ، اپنے اور اپنے بچوں کے ایمان کی حفاظت کی فکر کرنی چاہئے، جو موقعہ عافیت کا ملے، اسے غنیمت سمجھا جائے، جس قدر ممکن ہو زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کئے جائیں اور اللہ سے ہدایت پر باقی رہنے کی دعا کی جائے ورنہ اگلا دور اس سے زیادہ بُرا آنے والا ہے۔

درس قرآن کریم

سُوْرَۃُ الْحَاقَّۃ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَأَمَّا عَادٌ ۟ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا ۟ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ ۠ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً ۟ رَّابِيَةً ۝ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

ترجمہ:

اور وہ جو عاد تھی سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے۔ مقرر کر دیا اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن تک لگا تار، پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اس میں بچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے۔ پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان میں کا بچا۔ اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیاں خطائیں کرتے ہوئے۔ پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت۔ اور جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر دیا۔ تا کہ ہم اس واقعہ کو تمھارے لیے ایک درس موعظت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد محفوظ رکھیں۔

تفسیر وتشریح

قوم عاد کا انجام: آئندہ آنے والی آیت کریمہ میں قوم عاد کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جرم ان کا یہی تھا کہ انھوں نے قیامت کا انکار کیا اور جب جوابدہی کا اندیشہ جاتا رہا تو پھر کسی رسول کو ماننے اور کسی کتاب کو تسلیم کرنے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر زندگی ہر اخلاقی قدر سے تہی دامن ہو گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ ان پر سرما کی تیز وتند باد صرصر چلی اور اس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

''وَأَمَّا عَادٌ ۔ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ''(اور وہ جو عاد تھی سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے، نکلی جائے ہاتھوں سے۔) ''رِیح صَرْصَر'' اس سخت ہوا کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ سرد بھی ہو۔ اردو زبان میں جسے بادِ صرصر بولتے ہیں۔ اس کی تیزی اور ٹھنڈک کو اقبال نے شمشیر کی تیزی قرار دیا ہے۔ ''حُسُوْم''، حاسم کی جمع ہے۔ استیصال کر دینے والی اور فنا کر دینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں بادِ صرصر کی صفت کے طور پر ''عَاتِیَة'' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ہیں وہ ہوا

جوسرکش اور بے قابو ہوجائے جسے ہم طوفانی ہوا کہتے ہیں۔(روح القرآن)تفسیر عثمانی میں ''عَاتِیَة'' کا مفہوم یہ لکھا ہے: ایسی تیز وتند ہوا جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا، حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔(عثمانی)

''سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا ''(مقرر کردیا اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن تک لگاتار)یعنی یہ عذاب ان پر ان پر آٹھ دن اور سات راتیں مسلط رہا۔بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی صبح سے یہ آندھی کا عذاب شروع ہوکر دوسرے بدھ کی شام تک رہا۔اس طرح دن تو آٹھ ہوگئے اور راتیں سات ہوئیں۔اور یہ ہوائیں اس لیے ان پر مسلط کی گئی تھیں تاکہ ان کا استیصال کردیں، یعنی ان کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ دنوں میں ہر چیز تباہ ہوگئی۔اس قوم کا کوئی فرد، زندہ نہ بچا، عمارتیں زمین بوس کردی گئیں اور ان کی لاشیں زمین پر اس طرح پچھاڑی ہوئی پڑی تھیں جیسے وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں جو ہوا کے زور سے ادھر ادھر لڑھکتے پھر رہے ہوں۔(روح القرآن)

''سَخَّرَهَا'' کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے مسخر ومسلط کیا تھا اس کو، کوئی موسم وکواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے، اس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سبب ظاہری پر منحصر کرتے ہیں۔ان کی کوتاہ نگاہیں مسبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔عاد قوم کے لوگ بڑے قدر آور تھے۔(حقانی)

''فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ''(پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اس میں پچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے۔)یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی:''مَنْ اَشَدّ مِنَّا قُوَّةً''(ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے)وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کرسکی۔اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جن کا سر اوپر سے کٹ گیا ہو۔(عثمانی)کھوکھلے ٹھونڈوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نور ومعرفت کچھ نہ تھا یا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لمبے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

'' فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ''(پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان میں کا بچا۔)اس آیت کریمہ میں مخاطب کی چشم تصور کے سامنے یہ پورا منظر لاکر یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا تمھیں ان میں سے کوئی شخص باقی بچا(زندہ)نظر آتا ہے۔یعنی وہ لوگ جو اپنے دور کے سب سے ترقی یافتہ، سب سے زیادہ وسائل پر قابض اور سب سے زیادہ طاقتور قوم سمجھے جاتے تھے۔اور ثروت وحشمت میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہ تھی۔جب وہ قیامت کے انکار کے باعث اخلاقی بگاڑ کی انتہا کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا، ایسا ان پر برسا کہ ان کی قوت اور حشمت ان کے کسی کام نہ آئی اور وہ تاریخ میں عبرت کا سامان ہوکے رہ گئے۔(روح القرآن)لیکن حضرت ہود(علیہ السلام)اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود(علیہ السلام)نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔بڑے مالدار بڑے زور آور تھے۔(حقانی)

''وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَن قَبْلَهُ، وَ ٱلْمُؤْتَفِكٰتُ بِٱلْخَاطِئَةِ'' (اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیاں خطائیں کرتے ہوئے۔) یعنی ''عاد و ثمود'' کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب، اور قوم لوط،) جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں، ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی، اور خدا سے مقابلے باندھے۔ آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا، اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔ (عثمانی) حضرت لوط (علیہ السلام) کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں۔ سدوم عاموراوغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی وسرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں۔ (حقانی)

فرعون اور قوم لوط کا انجام: قومِ عاد و ثمود کے انجام کے ذکر کے بعد فرعون اور قوم لوط وغیرہ کی بستیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے آثار قریش کے تجارتی اسفار میں جا بجا دکھائی دیتے تھے۔ فرعون اگرچہ مصر میں ہوا اور قریش کا مصر سے کوئی تجارتی تعلق نہ تھا۔ البتہ یہود کی ہمسائیگی کی وجہ سے وہ فرعون کے انجام سے ناواقف نہ تھے۔ اور قوم عاد کی بستیوں کے کھنڈرات تو ان کے راستے میں پڑتے تھے، (قوم لوط کی پلٹی ہوئی بستیاں بھی مکہ سے شام جاتے ہوئے راستے ہی میں ہے۔) اس لیے قوم عاد و ثمود کے بعد ان کا ذکر کر کے قریش اور دیگر اہلِ عرب کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہ سب قومیں تکذیبِ قیامت اور تکذیبِ رُسل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ اور آج تم اسی راستے پر چل رہے ہو۔ تمھیں ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کر کے اپنا رویہ بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

''فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً'' (پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا، پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت۔) اس آیت کریمہ میں جرم کی نوعیت واضح فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو بے سبب نہیں پکڑا بلکہ ان پر عذاب کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی نافرمانی کرتے تھے۔ جو رسول بھی ان قوموں کی طرف آیا، اس نے ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو اس کے ایک ایک لمحے کی کارروائی محفوظ رکھی جا رہی ہے۔ تمھارا ہر عمل محفوظ ہو رہا ہے۔ اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک اور زندگی آنے والی ہے جسے قیامت یا آخرت کہتے ہیں۔ اس زندگی میں کیے ہوئے ہر عمل کا حساب وہاں دینا پڑے گا۔ اس لیے اس زندگی کو اس طرح گزارو جس طرح میں تمھیں تعلیم دے رہا ہوں، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس نے اپنا دین مجھ پر اتارا ہے۔ میں وہ ضابطۂ حیات لے کر مبعوث ہوا ہوں جو تمھارے لیے زندگی کا ضابطہ اور قانون ہے اور جس کے مطابق تمھیں زندگی گزارنی ہے اور اسی کے حوالے سے تم سے باز پرس ہوگی۔ میری اطاعت اور میرا اتباع تم پر لازم ہے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا نمائندہ ہوں۔ اگر تم مجھے تسلیم کرنے سے انکار کرو گے تو تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرو گے اور تم جانتے ہو یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ لیکن جب انھوں نے بار بار کی تنبیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے سے انکار کر دیا، نہ صرف اس کی نافرمانی کی بلکہ اس کی زندگی کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس جرم میں انہیں پکڑا۔ کیونکہ اس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کیخلاف علم بغاوت

بلند کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سفیر بن کر آتا ہے۔ اور پھر جب انہیں پکڑا تو ایسا پکڑا جس کی وہ مدافعت کرنے پر قادر نہ تھے۔

''اَخْذَةً رَّابِيَةً'' اس سے مراد وہ پکڑ ہے جس کی مدافعت نہ ہو سکے اور جو انسان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض دفعہ گرفت صرف تنبیہ اور یاددہانی کے لیے ہوتی ہے۔ ایسی تنبیہ سے آدمی چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی قوم خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہے تو وہ اس کو ایسی پکڑ پکڑتا ہے جس کی تاب لانا ناممکن ہوتا ہے۔ (روح القرآن)

''إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ''

(اور جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لیے ایک درس موعظت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد محفوظ رکھیں۔)

طوفانِ نوح سے بچ جانے والوں کا تذکرہ: قومِ عاد و ثمود اور فرعون اور قوم لوط کے انجام سے عبرت دلانے کے بعد اب ایسے واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو متذکرہ بالا قوموں کے واقعات سے بہت پہلے کا ہے، یعنی اس سے مراد طوفانِ نوح اور اس میں پیش آنے والے واقعات ہیں۔ اس طرح سے پروردگار نے رسولوں کی پوری تاریخ کی طرف قریش کی توجہ دلائی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے ان قوموں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں بالکل تباہ کر دی گئیں۔ اب طوفانِ نوح کے سلسلے میں ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا گیا جو غرق کر دیئے گئے تھے بلکہ ان لوگوں کا ذکر ہے جنھیں سفینۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے سوار ہونے کا موقع دیا۔ پھر انہیں محفوظ مقام پر اتار کر آباد کیا۔ اور آئندہ دنیا میں انہیں کی نسل سے آبادی پھیلی۔ اور قریش بھی انہیں لوگوں کے بقایا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور ان کے ایمان کی وجہ سے نجات عطا فرمائی تھی۔ اس سے قریش کو یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ ایک تو تم اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو کہ آج تم ان اسلاف کے اخلاف ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوح سے بچایا تھا۔ تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول پر ایمان لانا چاہیے۔ اور دوسرا اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ تمھارے وہ اسلاف جو طوفانِ نوح سے بچائے گئے ان کے بچنے کا صرف سبب یہ تھا کہ وہ حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لائے، آخرت کو تسلیم کیا اور اپنی زندگی بنانے میں لگ گئے۔ تم اگر ان کے اسوہ کو اپنے سامنے رکھو تو تم بھی ہر طرح کے طوفانوں سے محفوظ رہ سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یقیناً تمھیں بھی حاصل ہوگا۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ تم نے ان لوگوں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے جنھیں طوفانِ نوح میں غرق کر دیا گیا تھا اور ان متذکرہ بالا قوموں کے نقوشِ قدم پر چل رہے ہو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو چکی ہیں۔ حالانکہ طوفانِ نوح سے بچ جانے والوں کا تذکرہ ہم نے بعد کی قوموں میں اس لیے زندہ رکھا تاکہ لوگ اس سے یاددہانی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے جنھیں سماعِ قبول اور قلب سلیم عطا فرمایا ہے وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (روح القرآن)

مضامین ومقالات

یوم عاشوراء کی فضیلت واہمیت

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان کی یہ روایت آپ تک پہنچی کہ یہ وہ مبارک دن ہے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا، اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں (بخاری ۱/ ۲۸۱)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کا تاکیدی حکم دیا، جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے؛ چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ اور ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے، یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں؛ بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں، بعد میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی (بخاری شریف ۱/ ۲۶۸، مسلم شریف ۱/ ۳۶۰)

لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اسی روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ (معارف الحدیث ۴/ ۱۶۸)

جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رأیتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَحَرّیٰ صیامَ یومٍ فضَّلَہ علی غیرِہ الّا ھذا الیومَ یومَ عاشوراءَ وھذا الشھرَ یعنی شھرَ رَمَضَان۔ (بخاری شریف ۱/ ۲۶۸، مسلم شریف ۱/ ۳۶۱، ۳۶۰)

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی فضیلت والے دن کے روزہ کا اہتمام بہت زیادہ کرتے نہیں دیکھا، سوائے اس دن یعنی یومِ عاشوراء کے اور سوائے اس ماہ یعنی ماہِ رمضان المبارک کے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیسَ لِیَوْمٍ فَضْلٌ عَلٰی یومٍ فِي الصِّیَامِ الاَّ شَھْرَ رَمَضَانَ وَیَوْمَ عَاشُوْرَاءَ (رواہ الطبرانی والبیھقی، الترغیب والترھیب ۲، ۱۱۵)

”روزہ کے سلسلے میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں؛ مگر ماہِ رمضان المبارک کو اور یوم عاشورہ کو (کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے“۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم عاشورا کے روزہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انّي أحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أنْ يُكفِّر السنةَ التي قَبْلَه (مسلم شریف ۱/۳۶۷، ابن ماجہ ۱۲۵)

”مجھے امید ہے کہ عاشوراء کے دن کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا“۔ (ابن ماجہ کی ایک روایت میں ”السنة التی بعدھا“ کے الفاظ ہیں۔ کذا فی الترغیب ۲/۱۱۵)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ دس محرم کی تاریخ یعنی یوم عاشوراء بہت ہی عظمت وتقدس کا حامل ہے؛ لہٰذا ہمیں اس دن کی برکات سے بھرپور فیض اٹھانا چاہیے، خود بھی روزہ رکھنا چاہئے اور اہل خانہ کو بھی اس جانب متوجہ کرنا چاہئے۔

واضح رہے کہ احادیث سے یومِ عاشوراء میں صرف دو چیزیں ثابت ہیں:

(۱) روزہ رکھنا: جیسا کہ اس سلسلے کی روایات گزر چکی ہیں۔

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کی مشابہت اور یہود ونصاریٰ کی بود وباش اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حکم کے تحت چونکہ تنہا یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا یہودیوں کے ساتھ اشتراک اور تشابہ تھا، دوسری طرف اس کو چھوڑ دینا اس کی برکات سے محرومی کا سبب تھا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ یوم عاشوراء کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور ملالو، بہتر تو یہ ہے کہ نویں اور دسویں تاریخ کا روزہ رکھو، اور اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکو تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو؛ تاکہ یہود کی مخالفت ہوجائے اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تشابہ نہ رہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس دن کو یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاذَا كَانَ العامُ المُقْبِلُ ان شاءَ الله صُمْنَا اليومَ التاسعَ قال فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تَوَفّٰى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم (مسلم شریف ۱/۳۵۹)

”یعنی جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو بھی روزہ رکھیں گے، ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی“۔

(۲) اہل وعیال پر رزق میں فراخی: شریعتِ اسلامیہ نے اس دن کے لیے دوسری تعلیم یہ دی ہے کہ اس دن اپنے

گھر والوں اور بال بچوں پر کھانے پینے میں وسعت اور فراخی کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس عمل کی برکت سے تمام سال اللہ تعالیٰ فراخیِ رزق کے دروازے کھول دیتا ہے؛ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَوْسَعَ عَلٰى عِيَالِهِ وَأَهْلِهِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهِ (رواه البيهقى، الترغيب والترهيب ۲/۱۱۵)

یعنی جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کے سلسلے میں فراخی اور وسعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائیں گے۔

حدیث شریف سے اس ماہ محرم میں اور خاص طور پر دس محرم کو یہی دو عمل ثابت ہیں، بقیہ جو خرافات و بدعات اور رسومات اہل بدعت و گمراہ فرقوں نے ایجاد کر رکھے ہیں، ان کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ ہی ان کا کرنا جائز ہے۔ مثلاً:

ماتمی جلوس نکالنا، ماتمی مجلسوں کا انعقاد کرنا، تعزیہ نکالنا، ماہ محرم کی وجہ سے کالے کپڑے پہننا، ثواب سمجھ کر اسی دن کی مناسبت سے کھچڑا پکانا، خاص طور پر دس محرم کو پانی یا شربت کی سبیل لگانا، خصوصی طور پر اسی دن کی مناسبت سے مٹھائی تقسیم کرنا، عید کی طرح زینت کرنا اور اسی دن کی مناسبت سے نئے کپڑے پہننا، وغیرہ ایسے امور ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے۔ یہ سب اہل تشیع کا طریقہ ہے۔ جو ان کا ایجاد کردہ ہے، شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح اس ماہ معظم و محترم کو منحوس سمجھتے ہوئے خوشی کی کوئی تقریب نہ کرنا، خصوصاً نکاح وغیرہ نہ کرنا، یہ بھی بدعقیدگی ہے، یہ ماہ تو اسلام میں محترم ہے، اسے منحوس سمجھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ رب کریم ہمیں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

فرد کی اصلاح کے قرآنی اصول

مولانا زبیر احمد صدیقی

اصلاحِ فرد کے قرآنی نظام کو "تہذیب اخلاق" سے تعبیر کیا جاتا ہے، تہذیب اخلاق کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ہر فرد کے اخلاق درست ہوجائیں اور معاشرے کا ہر فرد درست سمت چل پڑے، قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۵۲-۱۵۳ میں افراد کی تہذیب واصلاح کے پانچ اصول بیان کیے گئے ہیں، جنہیں یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) ذکر خداوندی: اللہ تعالیٰ سے ہر بندے کا ایسا مضبوط رشتہ وتعلق استوار ہو کہ خلوت وجلوت، تنگی وآسانی، راحت ومصیبت میں بندہ اپنے محبوبِ حقیقی کا ہی خیال رکھے، اسی کی رضا کا دم بھرے، یہ تعلق اتنا مضبوط ہوجائے کہ ہر کام سے پہلے یہ تصور اجاگر ہو کہ میرا اللہ اس کام سے راضی ہوگا یا ناراض؟ مجھے بہر صورت اپنے رب کو راضی رکھنا ہے، خواہ اس کے لیے مجھے اپنی جان اور مال سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑے، قلب وقالب میں اللہ کی اس یاد کا نام "ذکرِ خداوندی" ہے، یادِ الٰہی جسم وجان سے پھوٹ کر زبان تک پہنچتی ہے اور زبان سے بھی اللہ کی دوستی کی مٹھاس چوس کر "اللہ، اللہ" کے ورد سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

(۲) شکر خداوندی: حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو اس کے حقیقی محل میں استعمال کرنے کا نام "شکر" اور بے محل استعمال کرنے کا نام "کفرانِ نعمت" ہے، مثلاً مال ورزق بخل اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنے اپنے اہل وعیال، اقربا اور فقراء ومساکین کی ضروریات پر خرچ کرنا مال کا شکر ہے اور ناجائز خواہشات کی تکمیل، راہِ ظلم اور نام ونمود کے لیے خرچ کرنا نعمت مال کی ناشکری ہے، ذکر وشکر کی کیفیت پیدا ہونے سے جرائم کا سدّ باب ہوتا ہے۔ نیز نعمت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ شکر زبان سے بھی کیا جائے اور اللہ کی ہر نعمت کو مستحضر کر کے الحمد للہ کہا جائے۔

(۳) صبر: حسب ضرورت اپنے خالق کے سامنے دست سوال دراز کریں، اگر مل جائے تو شکر کریں اور نہ ملے تو برداشت، غیر اللہ کے دروازے پر نہ جائیں، بس اسی کا نام صبر ہے، اہل علم نے صبر کی تین اقسام ذکر فرمائی ہیں: ۱- اللہ کی فرماں برداریوں پر ثابت قدم رہنا۔ ۲- اللہ کی نافرمانیوں سے پرہیز کرتے رہنا۔ ۳- گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر جمنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ناموافق حالات میں تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کر کے اللہ سے امید لگانا۔

(۴) صلوٰۃ: ہر طرح کی خوشی اور غمی کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر جبین نیاز صرف اسی کے سامنے جھکانا اور نماز کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اللہ کو خوش کر کے دنیا وآخرت کی نعمتوں کو اسی جہت سے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

(۵) دعا: اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال دراز کرنے کا نام "دعا" ہے، اپنی ہر ضرورت اسی سے

مانگنا، رزق، روزی، اولاد، نوکری، جنت اور ہدایت سبھی اللہ سے مانگتے رہنا، ملنے کا منتظر رہنا اور جلد بازی نہ کرنا۔

تدبیر منزل (اصلاحِ خانہ) کے پانچ اُصول:

افراد کی ترکیب یعنی شادی بیاہ سے گھرانہ وجود میں آتا ہے، چند گھر مل کر خاندان اور برادریاں تشکیل پاتی ہیں اور بہت سی برادریوں سے ملک تشکیل پاتا ہے۔ آدمی جب صاحب خانہ بنتا ہے تو اسے کسب معاش کی ضرورت پیش آتی ہے، پھر کمائی کے خرچ کرنے کے مصارف بھی متعین کرنا ہوتے ہیں، آپس کے اختلافات کی صورت میں فیصلوں کی نوبت بھی آتی ہے، تربیت ازواج واولاد کے لیے تعلیم کا انتظام بھی ضروری ہوتا ہے، اس لیے قرآن کریم نے گھرانہ کی اصلاح کے قوانین بھی مرحمت فرمائے۔ گھر چلانے کی تدبیر اور گھرانہ کی اصلاح کو تدبیر منزل کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے تدبیر منزل کے پانچ اصول کی جانب اشارہ کیا ہے۔ کمانا، خرچ کرنا، دیوانی قوانین، فوج داری قوانین، مضبوط نظام تعلیم۔ آیئے ان کی کچھ تشریح کر لیتے ہیں۔

۱... کمانا: حصول رزق کسی بھی گھرانے کے سربراہ کی بنیادی ذمہ داری ہے، گھر کا نظام کمائی کے بغیر چلانا ممکن نہیں، کمائی کے ذرائع کی جانب سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۲۶۷، میں اشارے موجود ہیں۔ کمانے کے لیے عقل کا استعمال کارگر ہے۔ قدرت کی جانب سے کسبِ معاش کے لیے مختلف ذرائع موجود ہیں، قدرتی ذرائع اور خزانوں سے عقل وسمجھ کے استعمال سے مکمل فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، مثلاً لکڑی وافر مقدار میں میسر ہے تو اسے کاٹ کر کشتیاں بنائی جائیں، ان کشتیوں کو تجارت کا ذریعہ بنایا جائے، اسی طرح زمین عطیہ خداوندی ہے اور بارش و پانی رحمت خداوندی ہے۔ انسان زمین میں بیج ڈالیں، بارش کا پانی زمین کو سیراب کرے گا یا پانی سے خود سیراب کریں۔ اللہ تعالیٰ اناج وغلہ فراہم کردیں گے، ایسے ہی لوہا، پٹرول، تانبا، آگ، گیس، لکڑی سب اللہ کی عطاء کردہ نعمتیں موجود ہیں، ان چیزوں کو جوڑ کر گاڑیاں، بسیں، ٹرینیں، جہاز تیار کر کے روزی کما سکتے ہیں، جانور بھی حصول رزق کا ذریعہ ہیں، انہیں حصول رزق میں استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ حصول رزق کے یہ تمام ذرائع حق تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان انعامات سے بندہ لطف اندوز ہوتا ہے، وہی خالق ومالک اور رازق ہے، اس کے انعامات کا تقاضا ہے کہ اس سے قلبی لگاؤ اور حقیقی محبت کی جائے، اسی کو معبودِ برحق سمجھا جائے۔

۲... خرچ کرنا: جو چیز ہم خود تناول یا کسی کو کھلا رہے ہیں تو وہ حلال ہونی ضروری ہے، حرام چیز کا کھانا یا کھلانا ممنوع ہے، اشیاء کو حلال وحرام بنانے والی ذات بھی ذاتِ واحد حق تعالیٰ شانہ کی ہے، وہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے، جو اشیاء اس نے انسان کے لیے مفید بنائیں انہیں حلال کردیا اور جو انسان کے لیے غیر مفید تھیں انہیں حرام کردیا، بعض اشیاء انسان کے لیے اس لیے غیر مفید ہیں کہ ان کے استعمال سے خود انسان کی عظمت وکرامت متاثر ہوتی ہے، مثلاً انسانی گوشت اور بعض اس لیے غیر مفید اور حرام ہیں کہ ان میں خباثت، نجاست یا گندا پن پایا جاتا ہے، مثلاً ذبح کے وقت نکلنے والا خون، مردار یا خنزیر یا معنوی نجاست وخباثت کی وجہ سے ممنوع کردہ اشیاء، مثلاً غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور..... تو ان سب کو حرام قرار دیا گیا۔

۳... نظام فوج داری: قرآن میں ظلم کو روکنے اور توڑنے کے لیے نظام فوج داری کے دیت وقصاص کا ابدی وسرمدی اصول بیان کیا گیا ہے، اس اصول کی بدولت ظالم بھی مظلوم ہی کی طرح ٹھہرتا ہے، جو سلوک مظلوم کے ساتھ ہوا وہی یا اس جیسا سلوک ظالم کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس قانون قصاص کی حکمت یہ ہے کہ مظلوم ومقتول یا اس کے وارثان کا غیظ وغضب، جذبہ انتقام اور غصہ کی آگ قصاص کی بدولت فرو ہوجاتی ہے اور وہ معاشرہ میں قانون شکنی کی جرأت نہیں کر پاتے، بصورتِ دیگر وارثان مقتول آتش انتقام میں قانون شکنی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو بھسم کر ڈالنے کی سعی کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ہم روز کیا کرتے ہیں، اس قانون قصاص کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب ایک قاتل وظالم اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو تمام لوگ اس کے عبرت ناک انجام کی بدولت اس جرم بد سے دور رہتے ہیں، بڑے سے بڑا مجرم بھی آسانی سے اس جرم کے ارتکاب کی جسارت نہیں کر پاتا، یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب یا بعید میں جن پاکیزہ معاشروں میں اسلام کا یہ خوب صورت قانون اپنی اصلی شکل میں رائج رہا وہاں کرائم وجرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر رہی۔

۴... دیوانی قانون (وصیت): قرآن کریم نے تدبیر منزل (گھریلو نظام کی اصلاح وتدبیر) کے لیے دیوانی قوانین بھی مختلف مقامات پر تفصیل سے بیان فرمائے، چناں چہ نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، عدت، رضاعت، حقوق ازواج، نان، نفقہ، خرید وفروخت کے قوانین، سود، جوا، رہن، امانت، وصیت، وراثت، شہادت اور قسم وغیرہ کے ضابطہ دیوانی کی دفعات تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اکثر مفسرین کی تحقیق کے مطابق وراثت کے احکام مقرر ہونے سے قبل یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کو مرحمت فرمایا گیا کہ وفات کے وقت اگر مال موجود ہو تو قریب المرگ شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لیے اپنے مال کے مناسب حصہ کی وصیت کرے کہ اتنا میرے والد، اتنا میری والدہ اور اتنا حصہ میری اولاد اور اتنا فلاں فلاں رشتہ دار کو دے دیا جائے، یہ وصیت کرنا شروع اسلام میں واجب تھا اور اس وصیت کی تعمیل ورثاء پر لازم تھی، وصیت سننے والوں اور گواہوں پر لازم تھا کہ وہ وصیت کو من وعن نافذ کریں، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں، تبدیلی سخت گناہ اور باعث مواخذہ تھی اور آج بھی وصیت کے سلسلہ میں یہی حکم ہے کہ شریعت کے مطابق کی گئی وصیت کو قطعاً نہ بدلا جائے اور حتی الامکان اسے پورا کیا جائے، البتہ وصیت کرنے والا اگر وصیت میں دانستہ یا بھول کر غلطی کر رہا ہو تو وصیت کرنے والے کی وصیت کرتے وقت شرعی اصولوں کے مطابق اصلاح کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر وصیت کرنے والے کو سمجھایا جائے تو اسے بھی اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔

۵... اہتمام تعلیم: باری تعالیٰ نے گھرانہ کے نظام کی تدبیر واصلاح کے لیے درج بالا جو پانچ راہ نما اصول بیان کیے ہیں ان میں سے ایک تعلیم کا اہتمام وانتظام کرنا بھی ہے، تاکہ گھرانہ نور علم سے منور ہو کر ہمہ قسم کی ضلالتوں وجہالتوں سے اپنے آپ کو بچا کر کے دنیوی واخروی نقصانات سے محفوظ رہ سکے، تعلیم کے لیے چند اساسی ارکان ہیں: نصاب تعلیم، وقت تعلیم، طریقہ تعلیم:

''نصاب تعلیم'' تو قرآن کریم ہے، سرچشمہ علم وعمل ہے، جملہ علوم وفنون قرآن کریم سے ہی پھوٹتے ہیں، قرآن کریم سے ہی نظام حیات طے کیا جاسکتا ہے، انسان کی ابتدا سے لے کر انتہا تک، گزشتہ امتوں کی تاریخ سے لے کر آنے والے جہاں کی خبروں تک، انفرادی زندگی سے لے کر قوموں کی حیات تک، فرد کی اصلاح سے لے کر قوموں کی راہ نمائی تک، جہاں داری، جہاں بانی، عقائد، عبادات، اخلاق وآداب، معاملات، اصولِ تقویٰ، عدل وانصاف، مساوات، اخوت، اقوام عالم سے برتاؤ، دنیا کے حالات، آخرت کے معاملات، جرم اور ان کی سزائیں سبھی کچھ قرآن کریم میں موجود ہیں، انسانی ضرورت کا کوئی نصاب تعلیم قرآن کریم کو شامل کیے بغیر مکمل نہیں کہلاسکتا۔

''وقت تعلیم'' تو پوری زندگی اور زندگی کے تمام ماہ وسال ہیں، لیکن رمضان المبارک کو قرآن کریم سے خاص تعلق ونسبت حاصل ہے، چناں چہ اکثر کتب وصحائف کا نزول بھی رمضان المبارک میں ہوا اور خود قرآن کریم بھی رمضان المبارک میں اترا، اس لیے ماہ صیام کو خصوصیت سے تعلیم قرآن کے لیے موزوں کہاں جاسکتا ہے، حالت صیام وقیام میں تقرب الی اللہ اور فہم قرآن کی استعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس لیے یہ مبارک مہینہ تلاوت، سماعت، فہم وتدبر اور تلاوتِ قرآن کے لیے نہایت موزوں ہے۔

''طریق تعلیم'' اسلوب نبوی سے متعین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرز وانداز سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم قرآن کریم کے زیور سے آراستہ فرمایا وہ امت کے لیے کامیابی وکامرانی کا باعث ہے، آپ نے تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ کا اہتمام بھی فرمایا، گویا کہ آپ کے طریقہ تعلیم میں چار چیزیں شامل تھیں:

ا- الفاظ قرآن کریم کی تلاوت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت فرماتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان الفاظ کو دہراتے اور یاد فرماتے اور شب وروز اس کی تلاوت میں مصروف رہتے۔

ب- معانی قرآن کریم سے آگاہی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے معانی ومطالب بھی سکھائے، اس لیے قرآن کے مفہوم کو اپنی رائے اور پسند سے متعین کرنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اس عمل کو ''تفسیر بالرائے'' قرار دے کر اس کی مذمت کی گئی، حقیقت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے قرآنی الفاظ بھی خود مرحمت فرمائے اور مطالب قرآنی بھی القاء کیے، یہی مطالب ومفاہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سکھلائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے تلامذہ کو، یوں الفاظ قرآنی کے ساتھ ساتھ معانی قرآن بھی پوری امت اور قیامت تک کے مسلمانوں تک پہنچتے چلے جائیں گے۔

ج- تعلیم حکمت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم معانی قرآن کے ساتھ ساتھ ''تفسیر قرآن'' حدیث کی شکل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرماتے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے یاد کرتے جیسا کہ

وہ قرآن کریم کو یاد کیا کرتے تھے، یوں ذخیرہ احادیث بھی ذخیرۂ قرآن کی طرح امت کی راہ نمائی کا باعث بن کر محفوظ علم کی شکل اختیار کر گیا۔

د- اخلاقی تربیت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف الفاظ قرآن و معانی و تفسیر قرآن کریم پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ احکام الٰہی کو دلوں میں اتارتے اور عملی طور پر تربیت بھی فرماتے تھے، چناں چہ یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہی ہے کہ وہ علم کو برائے معلومات نہیں، بلکہ برائے عمل پڑھاتا ہے، چناں چہ جوں جوں علم بڑھتا چلا گیا ویسے ویسے ہی تربیت و عمل میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی سب سے غیر طاقت ور قوم پورے عالم کی قیادت کا جھنڈا لے کر اٹھی اور دنیا کو جہاں بانی کے نئے انداز و اطوار دکھا کر تحسین وداد وصول کی۔ مذکورہ بالا علوم کے علاوہ قرآن کریم نے دنیوی زندگی میں معاون فنون کی جانب بھی اشارے کیے ہیں، ان کا حصول بھی نہایت اہم ہے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں و فحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

غرق فرعون کے لئے سمندر اور نجات موسیٰ کے لئے رب موجود ہے

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

دنیا کی تاریخ صرف سلطنتوں کے عروج وزوال کی داستان نہیں، بلکہ حق وباطل کے درمیان جاری ایک ایسی ابدی کشمکش کا نام ہے جس کے ہر دور میں اپنے کردار رہے ہیں۔ کہیں نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا، کہیں فرعون نے سرکشی کی انتہا کردی، کہیں ابوجہل نے حق کا راستہ روکنے کی کوشش کی، اور کہیں یزیدیت نے قوت واقتدار کے بل پر سچائی کو دبانا چاہا۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ ہمیشہ ایک ہی رہا: ظلم وقتی طور پر غالب ہوسکتا ہے، مگر دائمی فاتح نہیں بن سکتا۔

باطل جب اپنے شباب پر ہوتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں، اس کی طاقت ناقابلِ شکست ہے اور اس کے اقتدار کو کوئی زوال نہیں۔ مگر عین اسی وقت قدرت اپنے فیصلے رقم کررہی ہوتی ہے۔ ظالم اپنے انجام سے بے خبر ہوتا ہے اور مظلوم اپنی نجات کی ساعتوں کا منتظر۔ پھر اچانک تاریخ کروٹ لیتی ہے، تخت الٹ جاتے ہیں، تاج بکھر جاتے ہیں، محلات ویران ہوجاتے ہیں اور وہی لوگ جو کل تک زمین پر اپنی بڑائی کے ڈنکے بجارہے تھے، عبرت کی داستان بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم ہمیں یہی سبق دیتا ہے کہ اس کائنات کا نظام کسی فرعون، نمرود یا قیصر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس ربِّ ذوالجلال کے قبضۂ قدرت میں ہے جو کمزور کو طاقت عطا کرتا ہے، بے سہاروں کا سہارا بنتا ہے، مظلوموں کی آہیں سنتا ہے اور جب چاہتا ہے تو سمندروں کو راستہ اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔ اسی حقیقت کو ایک عربی مقولہ میں بیان کیا گیا ہے:

"لِكُلِّ فِرْعَوْنَ بَحْرٌ يُغْرِقُهُ وَلِكُلِّ مُوسَى رَبٌّ يُنَجِّيهِ"

یعنی ہر فرعون کے لئے ایک سمندر ہے جو اسے غرق کردیتا ہے اور ہر موسیٰ کے لئے ایک رب ہے جو اسے نجات عطا کرتا ہے۔

یہ صرف ایک جملہ نہیں، بلکہ تاریخ کا نچوڑ، ایمان والوں کے لئے پیغامِ امید، مظلوموں کے لئے نویدِ نصرت اور ظالموں کے لئے اعلانِ عبرت ہے۔ اس ایک فقرے میں اللہ تعالیٰ کی سنت، انبیائے کرام علیہم السلام کی جدوجہد، اہلِ حق کی استقامت اور باطل کے حتمی انجام کا پورا فلسفہ سمٹ آیا ہے۔ یہ تاریخِ انسانیت، قرآنِ کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ دنیا کے آغاز سے آج تک حق وباطل کی کشمکش جاری ہے۔ ایک طرف ظلم، جبر، تکبر اور سرکشی کی قوتیں رہی ہیں اور دوسری طرف ایمان، صبر، استقامت اور توکل کے علمبردار۔ بظاہر اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باطل غالب ہے، ظلم طاقتور ہے، جابر ناقابلِ شکست ہیں اور حق کے علمبردار کمزور اور بے بس ہیں، لیکن جب تاریخ کے اوراق پلٹے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انجام

ہمیشہ حق ہی کے حق میں رہا ہے اور باطل خواہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اس کی قسمت میں رسوائی اور زوال ہی لکھا گیا ہے۔

قرآن کریم نے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو بار بار مختلف انداز میں بیان کیا ہے تا کہ اہلِ ایمان یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ فرعون اپنے وقت کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے پاس وسیع سلطنت، بے جوڑ فوجیں، خزانے اور دنیاوی طاقت کے تمام وسائل موجود تھے۔ اس نے غرور میں آ کر یہاں تک کہہ دیا: ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى'' یعنی میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، ان کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اسے اپنے اقتدار پر ایسا گھمنڈ تھا کہ اسے یقین تھا کوئی اس کے سامنے کھڑا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بچے کو اس کے محل میں پروان چڑھایا جو اسی کے اقتدار کے خاتمے کا سبب بننے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نہ فوج لے کر آئے، نہ خزانے لے کر آئے، نہ دنیاوی قوت و اقتدار ان کے پاس تھا، مگر ان کے ساتھ رب العالمین کی نصرت تھی۔ جب حق اللہ کی تائید کے ساتھ کھڑا ہو تو ظاہری کمزوری بھی قوت بن جاتی ہے اور جب باطل اللہ کی پکڑ میں آ جائے تو ظاہری طاقت بھی اسے نہیں بچا سکتی۔

وہ لمحہ تاریخ کا عظیم ترین منظر تھا جب موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچے۔ سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ بظاہر نجات کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ساتھیوں نے گھبرا کر کہا: ''إِنَّا لَمُدْرَكُونَ'' ہم تو پکڑے گئے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کا یقین متزلزل نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا: ''كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ'' ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہی مجھے راستہ دکھائے گا۔ پھر اللہ کا حکم ہوا، سمندر پھٹ گیا، راستے بن گئے، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی نجات پا گئے اور فرعون اپنی فوج سمیت اسی سمندر میں غرق ہو گیا۔ یوں دنیا نے دیکھ لیا کہ ہر فرعون کے لئے واقعی ایک سمندر موجود ہے اور ہر موسیٰ کے لئے ایک رب موجود ہے۔ یہ واقعہ صرف ایک تاریخی داستان نہیں بلکہ ہر زمانے کے لئے ایک پیغام ہے۔ جب بھی کوئی قوم ظلم کا شکار ہوتی ہے، جب بھی اہلِ حق کمزور دکھائی دیتے ہیں، جب بھی باطل کا غلبہ نظر آتا ہے، اس وقت موسیٰ علیہ السلام کا یہ یقین اہلِ ایمان کے لئے مشعلِ راہ بن جاتا ہے کہ ''میرا رب میرے ساتھ ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی بھی اسی حقیقت کی روشن مثال ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ انہیں مارا گیا، ستایا گیا، بھوکا رکھا گیا، سماجی بائیکاٹ کا شکار بنایا گیا، لیکن ان تمام آزمائشوں کے باوجود انہوں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور مکہ کے دوسرے سردار اپنے اقتدار پر ناز کرتے تھے، مگر چند ہی برسوں بعد بدر کے میدان میں ان کا غرور خاک میں مل گیا۔ وہ لوگ جو مسلمانوں کو مٹانے نکلے تھے خود مٹ گئے اور جنہیں کمزور سمجھا جاتا تھا وہ تاریخ کے فاتح بن گئے۔ حضرت بلالؓ کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھے گئے، لیکن ان کی زبان سے ''احد، احد'' کے سوا کوئی لفظ نہ نکلا۔ آج بلالؓ کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے جبکہ ان پر ظلم کرنے والوں کا نام نفرت اور حقارت کی علامت بن چکا ہے۔ حضرت خبابؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت یاسرؓ اور دیگر صحابۂ کرام

رضی اللہ عنہم کی قربانیاں بھی یہی درس دیتی ہیں کہ وقتی تکلیفیں دائمی کامیابی کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتیں۔

اسلامی تاریخ کے صفحات اس حقیقت سے بھرے ہوئے ہیں۔امام حسینؓ کربلا میں ظاہری طور پر تنہا تھے لیکن حق ان کے ساتھ تھا۔ یزید کے پاس اقتدار تھا لیکن تاریخ نے فیصلہ کر دیا کہ عزت حسینؓ کے حصے میں آئی اور رسوائی ظلم کے حصے میں۔ امام احمد بن حنبلؒ کو قید کیا گیا، کوڑے مارے گئے، مگر وہ حق پر ثابت قدم رہے۔ آج ان کا نام علم وعزیمت کی علامت ہے جبکہ ان کے مخالفین تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو چکے ہیں۔

تاتاریوں نے بغداد کو روند ڈالا، لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا، لوگوں کو لگا کہ اب اسلام کا چراغ بجھ جائے گا، لیکن چند ہی دہائیوں بعد وہی تاتاری اسلام کے دامن میں آ گئے۔ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن بالآخر صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو آزاد کرا کے دنیا کو بتا دیا کہ باطل کی کامیابی ہمیشہ عارضی ہوتی ہے۔

درحقیقت فرعونیت صرف مصر میں نہیں تھی، نہ صرف مکہ میں تھی، نہ صرف کسی خاص دور میں تھی۔ فرعونیت ہر زمانے میں نئے چہروں کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ کبھی اقتدار کے غرور کی شکل میں، کبھی دولت کے نشے میں، کبھی علم کے تکبر میں اور کبھی طاقت کے زعم میں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی وراثت بھی ہر دور میں زندہ رہتی ہے۔ جو شخص حق پر قائم رہتا ہے، ظلم کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے، اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اور صبر کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے، وہ درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کے قافلے کا مسافر ہے۔

آج امتِ مسلمہ جن آزمائشوں سے گزر رہی ہے، ان میں اس پیغام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ حالات کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں، باطل کتنا ہی منظم کیوں نہ ہو، ظلم کتنا ہی طاقتور کیوں نہ دکھائی دے، اہلِ ایمان کو مایوس ہونے کا حق نہیں۔ قرآن کا پیغام واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے مگر انہیں چھوڑتا نہیں۔ وہ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے، صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اپنے دین کے مددگاروں کی مدد فرماتا ہے۔

لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے یقین کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں، اپنے ایمان کو مضبوط کریں، اللہ پر توکل پیدا کریں، ظلم سے نفرت کریں، حق کا ساتھ دیں اور حالات کے اندھیروں سے خوف زدہ ہونے کے بجائے ربِّ کائنات کی قدرت پر یقین رکھیں۔ یاد رکھئے! رات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، سحر ضرور آتی ہے۔ ظلم کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اس کا زوال یقینی ہے۔ سمندر کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں، اللہ چاہے تو ان میں راستے بن ہی جاتے ہیں۔

اس لئے مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ اپنے دلوں میں امید کے چراغ روشن رکھیں۔ اپنے رب سے تعلق مضبوط کریں۔ نماز، دعا، استغفار اور صبر کو اپنا سرمایہ بنائیں۔ اگر آپ حق پر ہیں تو یقین رکھیں کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ وہ رب ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر سے پار لگایا، ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو گلزار بنایا، یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور محمد رسول اللہ ﷺ کو غارِ ثور سے عزت وعظمت کے ساتھ نکالا۔

وقت گواہی دیتا ہے، تاریخ گواہی دیتی ہے، قرآن گواہی دیتا ہے اور ایمان گواہی دیتا ہے کہ ظلم کا انجام تباہی ہے اور حق کا

انجام کامیابی۔ ہرفرعون کے لئے ایک سمندر تیار ہے اور ہر موسیٰ کے لئے ایک رب موجود ہے۔ لہٰذا حق پر جمے رہئے، اللہ پر بھروسہ رکھئے، استقامت اختیار کیجئے، کیونکہ فتح کا وعدہ اللہ کا ہے، اور اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت صرف آرزوؤں، تمناؤں اور جذباتی نعروں سے نہیں آتی۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ میدان میں اتریں، دعوت کا فریضہ انجام دیں، فرعون کے دربار میں جائیں، صبر کریں، ہجرت کریں اور اپنی تمام ممکنہ تدبیریں اختیار کریں۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ بندہ اپنی ذمہ داری پوری کرے، پھر اللہ کی مدد اس کے شاملِ حال ہوجاتی ہے۔

آج اگر ہم اپنے حالات کی اصلاح چاہتے ہیں تو صرف دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے۔ اپنے ایمان، اعمال، اخلاق، کردار، تعلیم، تربیت اور اجتماعی ذمہ داریوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ کامیابی ان قوموں کو ملتی ہے جو دعا کے ساتھ عمل، توکل کے ساتھ تدبیر اور یقین کے ساتھ جدوجہد کو بھی اختیار کرتی ہیں۔ جو قومیں محض خواب دیکھتی ہیں وہ تاریخ نہیں بدل سکتیں، تاریخ وہی لوگ بدلتے ہیں جو اپنے مقصد کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے سمندر کو موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس وقت چاک کیا جب انہوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اگر وہ ساحل پر بیٹھ کر صرف معجزے کے انتظار میں رہتے تو تاریخ کا وہ عظیم باب رقم نہ ہوتا۔ اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق ہر ممکن کوشش کریں، حق کا ساتھ دیں، باطل کے سامنے ڈٹ جائیں، اپنے معاشرے کی اصلاح کریں، نئی نسلوں کی تربیت کریں اور اپنے کردار سے اسلام کی سچائی کا ثبوت پیش کریں۔ مایوسی مومن کا شیوہ نہیں۔ مشکلات راستہ روکنے کے لئے نہیں بلکہ عزم آزمانے کے لئے آتی ہیں۔ جو لوگ طوفانوں سے گھبرا جاتے ہیں وہ ساحل پر ہی رہ جاتے ہیں، لیکن جو اللہ پر بھروسہ کرکے کشتی کھول دیتے ہیں، تاریخ ان کے سفر کو یاد رکھتی ہے۔ اگر راستہ کٹھن ہے تو سمجھ لیجئے منزل بھی بلند ہے۔ اگر آزمائشیں زیادہ ہیں تو یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات بھی غیر معمولی ہوں گے۔

آج عہد کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم حالات کے شکوہ گزار نہیں بلکہ تبدیلی کے علمبردار بنیں گے۔ ہم ناامیدی نہیں پھیلائیں گے بلکہ امید کے چراغ روشن کریں گے۔ ہم شکست خوردہ ذہنیت کے بجائے ایمان و یقین کی قوت پیدا کریں گے۔ ہم یہ یقین اپنے دلوں میں راسخ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے ختم نہیں ہوئے، اس کی مدد کے دروازے بند نہیں ہوئے، اس کی قدرت کمزور نہیں ہوئی اور اس کی نصرت کے وعدے آج بھی اسی طرح سچے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ لہٰذا اٹھئے، اپنے اندر اعتماد پیدا کیجئے، اپنے رب سے تعلق مضبوط کیجئے، اپنی صلاحیتوں کو بیدار کیجئے، اپنی ذمہ داریاں ادا کیجئے اور پوری قوت کے ساتھ حق کے راستے پر چل پڑیئے۔ اگر نیت خالص ہوگی، کوشش مسلسل ہوگی، کردار مضبوط ہوگا اور بھروسہ اللہ پر ہوگا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کے راستے کی آخری رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

پس ہمت نہ ہاریئے، قدم نہ روکئے، عزم کو کمزور نہ ہونے دیجئے، اپنی ذمہ داری پوری کیجئے، اور یقین رکھئے کہ جو اللہ کے لئے چل پڑتا ہے، اللہ اس کے لئے ناممکن راستوں کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔

دینِ اسلام کے اساسی و آفاقی تصورات

مولانا عبدالمتین

معاصر مغالطوں میں سے ایک بہت ہی بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ دینِ اسلام چند رسمی احکامات کا نام نہیں، بلکہ دراصل یہ تو ایک نظامِ حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے سارے کے سارے گوشوں کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔ دین کے ساتھ اس طرح کی نسبت کا فروغ بلا وجہ پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس روش کے پس پردہ ایک سیاہ تاریخ ہے، جسے ہم تحریکِ تنویر کے نام سے جانتے ہیں، یہ تحریک اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی کہ کس طرح دین کو مذہب تک محدود کر دیں، کس طرح اسے ایک وہم وخیال تصور کیا جا سکے، کس طرح خطۂ ارض پر الٰہی اختیارات کی بجائے انسانی اختیارات کا بول بالا کیا جا سکے، کس طرح وحی الٰہی سے چھٹکارا پایا جائے، کس طرح عقل انسانی کو ماخذ علم سمجھا جائے!۔ الغرض اس تحریک نے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کے تحت بندوں کا رشتہ خدا سے کٹ کر رہ گیا اور ''عبداللہ''، ''عبدالدرھم والدینار'' بن گیا۔

مذکورہ تمام مقاصد کا حصول ہی اس تحریک کا منشور تھا، جس میں کامیابی کا نتیجہ آج ہمیں مذہب بیزار اور خدا بیزار انسانوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، جن کے مطابق اس دنیا کا کوئی ایک معمولی مسئلہ بھی مذہب حل کرنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ ان کے مطابق ہم نے ایسے علوم تشکیل دیئے ہیں جو بغیر کسی آسمانی ہدایت کے ہماری ہر اُلجھن کو سلجھن میں بدل سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص اپنے نجی معاملہ کی حد تک کوئی مذہبی معاملہ کرتا ہے تو ہم اُسے آزادیِ اظہارِ رائے کا حق دیتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں، کیوں کہ دراصل ہمارے نزدیک مذہب فقط ایک ذاتی معاملہ ہے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کے ذاتی معاملہ تک محدود ہونے کی صورت میں اس کی انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا ایسے کسی شخص کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عائلی مسائل کو اپنے مذہب کی روشنی میں حل کر سکے؟ یا یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ خود پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ اپنی مذہبی تشریحات کے مطابق لے لے؟ یا یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مالی معاملات میں سود کی گردش سے دور رہ کر ملکی اداروں تک رسائی حاصل کر سکے؟

اگر نہیں تو کس بات کو نجی کہہ کر اہمیت دی جا رہی ہے؟ کیا ایک ایسا نجی معاملہ قابل اعتناء رہ سکے گا جو اس کے بنیادی حقوق ہی چھین لے؟ آزادیِ اظہارِ رائے کا نام تو لے لیا گیا، لیکن یہ آزادی فقط اس فلسفۂ حیات کے حامل لوگوں کے لیے ہے جو تحریکِ تنویر سے نکلنے والی شعاعوں کو عقیدہ کی طرح مان لیں اور جان لیں کہ جو کچھ بھی کرنا ہے، اپنی عقل و ہوس کی روشنی میں ہی کرنا ہے۔ یہ سب کیا دھرا دراصل انسان کو ایسے ضابطۂ حیات کی طرف دعوت دیتا ہے جہاں انسان کا رشتہ خالق

سے توڑ کر مخلوق سے جوڑا گیا ہے، جس میں خودغرضی اور خودسری کی حدوں کو پار کیا جاتا ہے، جس میں مدِّ نظر فقط مادّہ ہی رہتا ہے، جس میں روحانیت کو نفسیاتی مسئلہ اور وحیِ الٰہی کو مرگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دینِ اسلام جو کہ درحقیقت آسمانی ہدایت اور خداوندِ عالی کے فرامین کا مجموعہ ہے، جسے ہم شریعت کا نام دیتے ہیں، مذکورہ تمام اُمور کے برعکس ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات ہونا کوئی جدید اصطلاح نہیں ہے، (جیسا کہ آج کل بہت سوں کو یہ گمان ہو رہا ہے) نہ ہی یہ سب تحریکِ تنویر کی طرح ردِّعمل کا سا معاملہ ہے، بلکہ یہ تو خالق کی بسائی ہوئی دنیا میں اسی کے احکامات کے مطابق زندگی کا گزارنا ہے اور یہ نظامِ حیات اتنا ہی قدیم ہے، جتنا کہ یہ عالم جن وانس۔ دراصل اسلام اپنے ماننے والوں سے بغیر کسی قطع وبرید کے مکمل شمولیت کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ تقاضا کرنا اس امر کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ایسا بامعنیٰ پہلو نہیں جس کے متعلق قرآن وحدیث میں اصولی طور پر اور فقہاء کی آراء میں جزوی طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہو۔ اسی ضابطہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں:

''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ أٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِیْ السِّلْمِ کَافَّةً ۔'' (البقرۃ:۲۰۸) ''اے ایمان والو! دین میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔''

آیتِ مبارکہ کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''**یقول تعالی أٰمرًا عبادَه المؤمنین به المصدِّقین برسوله: أنْ یأخذوا بجمیع عُرَی الإسلام وشرائعه، والعمل بجمیع أوامره، وترک جمیع زواجره ما استطاعوا من ذٰلک۔**'' (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۲۰۸) ''اللہ پاک اپنے ان بندوں کو حکم کرتا ہے جو کہ اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے تمام اُصول اور قوانین کو لیا کریں، اور اس کے تمام احکامات پر عمل کریں اور حتیٰ الامکان اسلام کے بتائے ہوئے تمام مناہی سے گریز کریں۔''

اس آیتِ مبارکہ کے علاوہ یہ آیت بھی دین کی کاملیت اور قطعیت پر واضح دلیل ہے:

''اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِیْنًا۔'' (المائدہ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام پر راضی ہوا۔''

دین کا یہی رخ سامنے رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''**کذٰلک أتی الله بشریعة هي أکمل الشرائع متضمنة لمصالح یعجز عن مراعاة مثلها البشر۔**'' (مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ، ص:۳۲، قدیمی کتب خانہ) ''ٹھیک اسی طرح اللہ پاک کی جانب سے ایک ایسی شریعت عطا ہوئی جو کہ کامل ترین ہے اور ایسی مصلحتوں پر مشتمل ہے کہ جن کی رعایت کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔''

فقہ اسلام کی معروف کتاب ''ہدایہ'' کی ترتیبِ وضع پر ایک نظر کی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ صاحبِ کتاب نے

اپنی کتاب تین چوتھائی حصہ کو معاملات سے متعلق موضوعات کے لیے مختص فرمادیا ہے، یہ سعی اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ دینِ اسلام کی جامعیت کس قدر عمیق اور گہری ہے، اسلام ایک دستورِ حیات کی حیثیت سے ہمارے لیے ایسی ترتیب پیش کرتا ہے، جن کی رعایت پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے احکامات کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ دین کی شعبہ جاتی تقسیم کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی تعلیمات مضامین کے اعتبار سے پانچ حصوں میں منقسم ہیں:۱:.....عقائد وتصدیقات، ۲:.....اعمال و عبادات، ۳:.....معاملات و سیاسیات، ۴:.....آداب و معاشرت، ۵:.....سلوک و احسان۔'' (مقدمہ تعلیم الدین از تھانویؒ، دارالاشاعت)

شریعتِ اسلامی کی پوری عمارت ایمانیات پر منحصر ہے۔ اور ایمانیات کی حیثیت اس ستون کی سی ہے، جس کے بغیر عمارت کی بناء تو دور اس کا تصور بھی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں داخل اور خارج ہونے کا معیار بھی ایمانیات ہی کے شعبہ سے وابستہ ہے۔ ایمانیات کے اساسی شعبہ جات کو ''حدیثِ جبرئیل'' میں بڑی ہی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ۔''

اسی باب کی دوسری حدیث میں ہے:

''وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اللہ سے ملاقات ہونے پر اور اس کے رسولوں پر اور اس بات پر ایمان لے آئے کہ (مرنے کے بعد) تمہیں دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔

''اور فرمایا: اس شخص نے کہ (اے محمد!) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو تو۔''

حدیث مبارکہ میں ایمانیات کے ان شعبوں کا ذکر آ گیا جو کہ اساسیاتِ ایمان ہیں: ایمان باللہ، ایمان

بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالاٰخرۃ۔

ایمانیات کا اوّلین مقصد خالق سے اپنا ناطہ مضبوط کرنا ہے اور اس مضبوطی کا سب سے مؤثر ترین ذریعہ خالق کے آگے اپنی اَنا کا بت توڑ کر تسلیم جاں ہوجانا ہے، جس کو ہم عبادات کے نام سے جانتے ہیں، جو کہ درحقیقت ایمان کے اظہار کا حقیقی اور بلا واسطہ ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار مصروفیات کے ذکر کرنے کے باوجود جو کہ عبادتِ خداوندی ہی کا مظہر تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی حضوریِ رب کا بھی کہا گیا، اس بات کو سمجھانے کی خاطر کہ قربِ خداوندی کا وہ پہلو جس میں بندہ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے رہتا ہے، ہر حال میں مستحضر رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ دنیا کی دوڑ دھوپ کی تھکاوٹ اور بوجھ شوقِ عبادت کی ہلکان وآسودگی میں تبدیل ہوجائے۔ مذکورہ حدیث میں عبادات کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔

اسی طرح اخلاقیات کا شعبہ دین کی حقیقی تربیت اور عام چال وچلن میں اس کی افادیت کے اظہار کا ذریعہ ہے، جس میں اس قدر مختلف النوع آداب واحکام کا ذکر ہے کہ جس پر صفحات کے صفحات لکھے جا چکے ہیں، یہاں تک کہ معلّمِ اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارمِ اخلاق کی تکمیل بتلایا ہے:

''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔''(الأحكام الشرعية الكبرى، جزء: ۳،ص:۳۰۸)''بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کرسکوں۔''

اخلاقِ حسنہ کو بہترین اشخاص کا وصف قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا۔''(صحيح مسلم، باب كثرة حيائه ﷺ)''بے شک تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔''

قرآن وحدیث میں جن جن اخلاقی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: تقویٰ، عفّت، پاک دامنی، حیا، خوش مزاجی، شجاعت، عدل وانصاف، قناعت، استقامت، تواضع، انکساری، سخاوت، صبر وشکر، حلم وبردباری، علم، نرم خوئی، توکل، سچ، اخلاصِ نیت، توبہ، زہد واستغناء، رضاء برقضاء، عشقِ الٰہی، عشقِ رسول، شوقِ شہادت، اکلِ حلال۔

ان کے بعد دین کا وہ شعبہ ہے جسے ہم معاشرت کے نام سے جانتے ہیں، جس کا تانا بانا اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور ان سب کے حقوق کی کما حقہ ادائیگی ہی بہتر سے بہتر معاشرے کی تصویر بن سکتی ہے، مخلوقِ خدا کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلٰى عِيَالِهِ۔''(شعب الإيمان للبيهقي، جزء :۶،ص :۴۳)''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ساری مخلوق میں سے اللہ کے ہاں بہترین شخص وہ ہے کہ جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو۔''

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے ہاں مطلوبہ اعمال میں سے اہم ترین عمل وہ ہے جو اس کے بندوں سے جڑا ہوا ہے، یعنی حقوق العباد جو کہ معاشرے کی حقیقی روح کے مانند ہیں، اسی وجہ سے حقوق اللہ کی معافی بہ نسبت حقوق العباد کے آسان ہے، کیوں کہ حقوق العباد کا تعلق براہِ راست اللہ کے بندوں سے ہے، اسی عقدہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا:

''الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِيْ السَّمَاءِ۔'' (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ) ''جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں رحمن ان پر رحم فرماتا رہتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

مذکورہ احادیث اس امر کی وضاحت کو کافی ہیں کہ معاشرتی عروج وزوال کا انحصار آپسی معاملات پر ہے۔ جس قدر آپس میں ان صفاتِ عالی کو عام کیا جائے گا، اسی قدر معاشرے کے حسن میں نکھار آتا جائے گا۔ ورنہ جتنا ان سے روگردانی کی جائے گی، اتنا ہی یہ پھول سکڑ سکڑ کر بے رنگ وبو ہوتا جائے گا۔

وہ اعلیٰ صفات کیا ہیں؟ ان میں سے چند کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے: صفائی ستھرائی، اہلِ محلہ کے حقوق، سواری کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، زوجین کے حقوق، والدین کے حقوق، نکاح، مہر، طلاق، رضاعت، ستر پوشی، سلام کا رواج، اکرامِ مسلم، صلہ رحمی، صلح کروانا، مدد کرنا، مریض کی عیادت، وغیرہ۔

ان اساسیات کے بعد معاملات کی حیثیت بھی دین میں ایسی ہی ہے جیسی کہ دیگر اعمال کی۔ آپس کے معاملات کو رسم ورواج اور اپنی اَنا کی بھینٹ چڑھانے کے بجائے ان کو بھی آسمانی ہدایات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، جن پر عمل پیرا ہونا اس پرفتن دور میں کہ جس میں دین کا تصورِ عمل نجی معاملات تک محدود ہو چکا ہے زیادہ ضروری ہے اور اشاعتِ دین کی ایک کارگر صورت ہے۔ کتبِ فقہ میں دین کے وہ احکامات جو کہ معاملات کے متعلق ہیں بڑی ہی کثرت اور عرق ریزی کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں، جن پر سرسری نظر ڈالتے ہی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ دین کے احکامات کس قدر گہرائی اور گیرائی لیے ہوئے ہیں۔

معاملات کا باب ان اُمور پر مشتمل ہے جن کا تعلق ہماری معاشی، قانونی، اور ذاتی زندگی سے ہے، معاملات کے احکامات اکثر و بیشتر عدمِ التفات کا شکار رہتے ہیں۔ ہم یہاں معاملات کے ان احکامات کو درج کرتے ہیں، جن سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سابقہ رہتا ہے، جن میں: زراعت، اجارہ، عاریت، امانت، قرض، وراثت، وصیت، ہدیہ، ہبہ، تحفہ تحائف، رہن، شرکت، مضاربت، تجارت، وکالت، کفالت، صلح، حقِ شفعہ، مالِ وقف شامل ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی اصلاحی وتربیتی خدمات

عمر فاروق ندوی فتحپوری

قرآن کریم نے اصلاح وتربیت اور تزکیۂ نفس کو مقاصد بعثت میں قرار دیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کے متعلق قرآن کریم میں ہے: ''هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ، وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' (سورۃ الجمعۃ - آیت 2) ''وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس (قرآن) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

اسی طریقہ سے قرآن کریم نے تمام انبیاء ورسل کا وہ مژدۂ جانفزا اپنے دامن میں محفوظ کیا ہے، جو انبیاء کی مبارک زندگیوں کا عنوان ہے کہ دنیا میں ان کی بعثت کا مقصد بساط بھر کوشش اصلاح وتربیت ہے: ''اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ'' (ھود:88)

الغرض حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اسی مقصد کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوتے رہے، چونکہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وخاتم المرسلین ہیں، اور آپکی بعثت کسی عہد اور قوم کے ساتھ محدود نہیں ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لیے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے، چنانچہ حضور کے بعد بھی عہد بہ عہد آپ کی تعلیمات اور مشن اصلاح وتربیت کو آگے بڑھانے کا نظم اللہ تعالی نے اپنے فضل سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، علمائے ربانیین مصلحین امت اور خادمین دین وملت کے ذریعہ جاری فرمایا، جنہوں نے نبوی سانچہ میں ڈھل کر ملامت گروں کی ملامت اور حالات کی ناسازگاریوں کے باوجود اس نبوی مشن کو انجام دیا جو آج تک بلاانقطع جاری وساری ہے، جمیع صحابہ اور پھر بعد کے مصلحین ومربین حضرت حسن بصری، حضرت علی ابن حسین نبیرۂ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جعفر صادق اور ان حضرات کے تلامذہ مسترشدین اور صحبت یافتہ حضرت سفیان ثوری حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت عبداللہ ابن مبارک حضرت امام احمد ابن حنبل حضرت داؤد طائی حضرت معروف کرخی، حضرت جنید بغدادی حضرت فضیل ابن عیاض، حضرت عبدالقادر جیلانی حضرت امام غزالی، امام ابن تیمیہ جیسی ہزاروں تقدس مآب شخصیات ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے ادوار میں اصلاح وتربیت کے مشن نبوی کو جاری وساری رکھا اور لاکھوں نفوس جن کے ارشادات وتربیت سے فیضیاب ہوئے۔ (تاریخ اصلاح وتربیت۔ جلد اول۔ مولانا محمود حسن حسنی ندوی)

ہندوستان کی زرخیز زمین بھی اس فیض سے محروم نہیں رہی، چھٹی صدی ہجری میں عالم اسلام کو غیر معمولی آزمائشوں اور فتن کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر تاتاریوں کے وحشیانہ مظالم نے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی جس سے شہروں کا امن وسکون اور زندگی کا نظم ونسق تتر بتر ہو چکا تھا، اس فتنۂ عالم آشوب میں ہندوستان ہی ایسا ملک تھا جو محفوظ رہ گیا تھا، لہذا عالم اسلام کے بہترین خاندان ایران، ترکستان اور عراق سے سیلاب کی مانند ہندوستان کی طرف امنڈ آئے، مسلم حکمرانوں کے حملے پہلے ہی ہندوستان پر ہو چکے تھے، سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری مستحکم ومستقل سلطنتیں قائم کر چکے تھے، مگر ہندوستان کی روحانی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مقدر میں آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ہندوستان میں خانقاہوں اور مراکز دینیہ کا جال پھیل گیا اسلام کے چاروں روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ یہاں پھلنے پھولنے لگے، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاؤالدین، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، شیخ شرف الدین یحیی منیری اور خواجہ نظام الدین اولیاء جیسی شخصیات کی روحانی تاثیر اور اصلاحی وتربیتی سرگرمیوں سے ہندوستان سالہا سال تک اصلاح وتربیت کا مرکز بنا رہا، اور ان سب میں سب سے طاقتور طریقہ سے امام سرہندی مجدد الف ثانی نے اپنا کردار پیش کیا انہوں نے مجددانہ اور مجتہدانہ طریقے اختیار کرتے ہوئے تمام رسومات وبدعات کا شمشیر برہنہ لے کر مقابلہ کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کا فیض ان کے لائق وفائق خلفاء وتبعین کے ذریعے شام وترکی وغیرہ میں بھی پہنچا اور ایوان سلطنت میں بھی داخل ہوا، فتنۂ اکبری کی سرکوبی اور اس کا قلع قمع حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء کا سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

اسی سلسلۂ جنبانی کی ایک عہد ساز، انقلاب انگیز، دینی وروحانی شخصیت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جنہوں نے استحضار نیت، نماز، قرآن اور اتباع سنت کو طریقت کا لب لباب بنایا اور اسی منہج پر اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا، ایک عظیم پیمانے پر آپ کی تحریک اصلاح وتجدید وتربیت پھیلی، مراکش سے تبت وچین تک آپ کے خلفاء کے ذریعہ آپ کا فیض جاری ہوا، اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی شخصیات اپنے امتیازات کے ساتھ سامنے آئیں، جنہوں نے قرآن وسنت کی بالادستی کو قائم کیا جن کے فیوض سے عرب وعجم مستفید ہوئے۔ (تاریخ اصلاح وتربیت۔ جلد اول۔ مولانا محمود حسن حسنی ندوی)

آخر الذکر شخصیت قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری کا تذکرہ اس مقالہ میں مقصود ہے جن کے مرکز فیض سے ہزاروں تشنگان فیضیاب ہوئے آپ کی تاثیر فیض اور حرارت قلبی نے سینکڑوں قلوب کو اپنے رنگ میں رنگ کر عشق الٰہی اور خدمت انسانیت کے جذبہ سے سرشار کیا۔

تکمیل تعلیم وتربیت:

سنہ 1290ھ بمطابق سنہ 1873ء کوآپ کی ولادت باسعادت سرگودھا کے قریب ایک گاؤں ''ڈھڑیاں'' میں ہوئی تھی، ابتدائی تعلیم اپنے چچا حافظ یاسین سے حاصل کی، اس کے بعد اپنے دوسرے چچا مولانا کلیم اللہ سے حفظ قرآن حکیم کیا، نیز ان سے ابتدائی فارسی نظم ونثر کی کتابیں پڑھیں، اثناء تعلیم چچا کے انتقال ہوجانے کے بعد جھاوریاں ضلع سرگودھا کی مسجد عنایت والی میں مولانا خلیل (سلسلہ قادریہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے) سے ''مراح الارواح'' اور ''قال اقوال'' تک ابتدائی عربی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں، بعدازاں مظاہر علوم سہارن پور میں تعلیم حاصل کی اور پھر پانی پت، دہلی رام پور، بریلی اور دیگر مقامات کی جانب حصول تعلیم کے لیے اسفار کیے اور یوں ظاہری تعلیم کی تکمیل کی۔ (مشائخ رائے پور ص:65 از: مفتی عبدالخالق آزاد)

انجذاب الی اللہ:

بریلی (جہاں آپ نے علوم کی تکمیل کے بعد ملازمت اختیار کرلی تھی) وغیرہ میں قیام کے دوران علماء کے باہم جھگڑوں مناظروں خاص طور پر مولانا احمد رضا خان کی علمائے حق کی تردید اور مذمت کے ماحول سے طبیعت میں بے چینی اور قلبی کشمکش پیدا ہوگئی، اسی زمانے میں امام غزالی کی مشہور کتاب ''المنقذ من الضلال'' کا اردو ترجمہ جو لیکچر امام غزالی کے نام سے چھپا تھا، کہیں سے مل گیا، جس میں امام غزالی نے اپنی سرگزشت سنائی ہے، اسی زمانے میں آپ کو حضرت سید احمد شہید اور مجاہدین کے حالات پر مشتمل کتاب زوان احمدی (مؤلفہ مولانا جعفر تھانیسری) دستیاب ہوگئی ان حضرات کے ایمان افروز حالات پڑھ کر اور ان کے اخلاص وقوت ایمانی کو دیکھ کر قلب کو تقویت اور سکینت حاصل ہوئی، پھر آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی مثنوی تحفۃ العشاق کہیں سے مل گئی اور اس نے طبیعت میں اور بے چینی وعشق کی شورش برپا کردی۔ (سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری مؤلفہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

تکمیل تربیت واصلاح:

بے چینیٔ قلب کی اس کشمکش میں خوب سوچ بچار کے بعد اور حضرت حاجی صاحب کی کتابوں کے مطالعے سے حاجی صاحب ہی کے سلسلہ کے مشائخ کی طرف رجوع کا داعیہ پیدا ہوا اور آپ نے حضرت شاہ مولانا عبدالرحیم رائے پوری، خلیفہ حضرت گنگوہی کو خط لکھا کہ میں بیعت کے واسطہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت رائے پوری نے جواباً لکھا کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ حضرت گنگوہی کی طرف رجوع کریں، مگر مولانا عبدالقادر نے پھر لکھا کہ میرا رجحان تو آپ ہی کی طرف ہے، چنانچہ آپ رائے پور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہوگئے اور پھر 14 سال مسلسل حضرت کی خدمت میں پوری توجہ اور لگن سے رہے اور خوب فیض حاصل کیا، خوب دل لگی اور چاہت سے حضرت کی خدمت کی، حتی کہ آپ اپنے شیخ ومرشد کی تمام توجہات کا مرکز بن گئے، حضرت نے بھی آپ

کی ذات کو نکھارنے اور اپنے رنگ میں رنگنے میں انتہائی توجہ سے کام لیا، حضرت شاہ ہی نے آپ کا نام جو کہ پہلے ''غلام جیلانی'' تھا، بدل کر عبدالقادر رکھا اور حضرت والا کی خصوصی عنایات نے آپ کے تمام رنگ اتار کر اپنے رنگ میں رنگ لیا، یہاں تک کہ آپ شبیہ شیخ اور مثیل مرشد بن کر اپنے شیخ کے جانشین ہو گئے۔ (مشائخ رائے پور ص:67 از مفتی عبدالخالق آزاد)

آغاز دور اصلاح وتربیت:

صاحب مشائخ رائے پور مفتی عبدالخالق آزاد نے اس دور کا پورا نقشہ کھینچا ہے، جس میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی رہبری و رہنمائی اور اصلاح وتربیت کے دور کا آغاز ہوا، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں۔ قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے ایسے پرآشوب دور میں یہ کام سنبھالا، جبکہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں صحیح فہم وبصیرت کے عامل اور اعلی سیاسی شعور رکھنے والے علمائے ربانیین اور قوم پرست رہنمایان ملت کے لیے صحیح نہج پہ کام کرنا مشکل بنا دیا گیا تھا اور مسلمانوں کی رہنمائی کے ایسے دعویدار پیدا ہو گئے تھے جو اسلام کے لبادے میں عالمی طاغوتی قوتوں کے سیاسی ومعاشی فکر وعمل کو پھیلانے اور سرمایہ پرستی کے نظام کو غالب کرنے کے لیے کام کر رہے تھے اور یوں اسلام کا نام استعمال کر کے عوام کو بیوقوف بنا کر اپنے گروہی اور طبقاتی مفادات کو حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے، ایسے مشکل اور پیچیدہ ماحول میں آپ نے انتہائی اولوالعزمی سے کام لیتے ہوئے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی بنیادی دعوت فکر وعمل اور مرکزی موضوع میں کوئی تبدیلی قبول نہ کی اور خانوادۂ ولی اللہی کے قائم کردہ صحیح فکر وعمل پر انتہائی صبر واستقامت سے گامزن ہو گئے۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائپور کا اصلاحی وتربیتی امتیاز:

جس دور میں حضرت رائے پوری خانقاہ کے سجادہ نشین مقرر ہوئے، اس دور میں جو مذہبی وتربیتی اور روحانی حالت تھی اور برسوں سے سنت اللہ کے مطابق جو رشد وہدایت کی شمعیں جل رہی تھیں اور جو تربیت گاہیں مرجع عوام وخواص بنی ہوئی تھیں ان میں خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی کیا امتیازی شان تھی۔ ملاحظہ فرمایئے مفکر اسلام سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے قلم سے: دہلی، نواح دہلی اور دوآبہ میں متعدد ایسی خانقاہیں اور روحانی تربیت کے مراکز تھے، جو پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول تھے، دہلی کی شہرۂ آفاق خانقاہوں کے دور انقلاب کے بعد اخیر دور میں گنگوہ اور تھانہ بھون کے روحانی وتربیتی مرکز مرجع جائے عام وخاص بنے ہوئے تھے۔ پھر جب ان پر دور انقلاب آیا اور سنت اللہ کے مطابق رشد وہدایت کی یہ شمعیں بھی اپنے مشائخ کی وفات کے بعد خاموش ہو گئیں، تو اسی سلسلہ روحانی کی ایک کڑی رائے پور کی خانقاہ نہ صرف اس نواح بلکہ صوبہ جات متحدہ (UP) سے لے کر پنجاب تک کا روحانی وتربیتی مرکز بن گئی، ملک میں بڑے بڑے انقلاب آئے، بڑے بڑے سیاسی طوفان اٹھے اور آندھیاں چلیں، ملک تقسیم ہوا لیکن ان تند تیز ہواؤں میں بھی یہ چراغ جلتا رہا۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری)

اور اصلاح وتربیت کا جو عظیم فیضان یہاں سے جاری ہوا اور جس طرح ہر طبقے ہر نوع کے آدمی نے اس فیضان گاہ سے

فیض پایا، اس کے بارے میں سید صاحب رقم طراز ہیں: رائے پور کی خانقاہ چونکہ رسوم و قیود سے بہت آزاد اور حضرت کی طبیعت مبارک بہت جامع، وسیع اور دار و گیر سے دور تھی، نیز مختلف احوال اور طبقات کے لوگوں کا آپ سے تعلق اور عقیدت اور آپ کو ان سے محبت تھی، اس لیے مختلف ذوق اور مکاتب فکر کے صحیح الخیال علماء یا سیاسی رہنما، قومی کارکن، اہل مدارس، اہل قلم و صاحب تصنیف، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے فضلاء اپنی اصلاح و تربیت اور اپنے اپنے خلاء کی تکمیل کے لیے حاضر ہونے لگے، ان میں بہت سے ایسے تھے جو کہ عرصہ سے دین و علم کی خدمت، اصلاح و تبلیغ، تصنیف و تقریر یا مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی اور قومی خدمت میں مشغول تھے اور ہندوستان کی علمی یا سیاسی محفلیں ان کی علمی لیاقت، سحر انگیز خطابت یا مفکرانہ قیادت کی شہرت و آوازہ سے گونج رہی تھیں، وہ خود ہزاروں مسلمانوں کے مرجع و مرکز عقیدت بنے ہوئے تھے، لیکن ان کو خود اپنے اخلاص و اخلاق کی تکمیل کے لیے ایک شیخ کامل اور ایک طبیب حاذق کی تربیت و صحبت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کا احساس ان کو کشاں کشاں حضرت کے پاس لایا اور انہوں نے رائے پور پہنچ کر بصد شوق و بکمال جوش خواجہ حافظ کی زبان میں عرض کیا:

تو کہ کیمیا فرد سے نظرے بقلب ما کن
کہ بضاعتے نہ داریم و فگندہ ایم دامے

حضرت رائے پوری کی مدارس اسلامیہ و تحریکات دینیہ کی سرپرستی و رہنمائی:

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گرچہ اپنے شیخ کی نیابت و وراثت میں اور شیوخ متقدمین کی تقلید و اتباع میں اپنے لیے گوشۂ عزلت کا انتخاب کیا تھا اور بظاہر سلوک و تربیت سے تعلق رکھا تھا، لیکن انہوں نے اس گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر بھی اپنے اسلاف کرام کی طرح متعدد دینی تحریکوں اور خدمت دین اور حفاظت اسلام کے مختلف اہم کاموں کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی:

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری میں، آپ کے خلیفہ مجاز اور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے بھانجے حضرت مولانا محمد اشفاق رائے پوری ایک طویل عرصہ تک ایک اہم رکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اس دور میں دارالعلوم دیوبند کے بارے میں ہر اہم معاملہ میں حضرت مدنی اور حضرت قاری طیب صاحب رحمہما اللہ آپ سے مشاورت فرماتے رہے، یوں دارالعلوم دیوبند میں تمام اہم فیصلوں میں آپ کی قلبی توجہ، نگرانی اور رہنمائی شامل رہی۔ (مشائخ رائے پور ص: 69 از: مفتی عبدالخالق آزاد)

مدرسہ مظاہر علوم کی سرپرستی:

اسی طرح مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات سرپرستان میں آپ کی شخصیت نمایاں طور پر اپنا کردار ادا کرتی

رہی اور آپ عرصہ تک اس کے رکن رکین کے حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے رہے، مدرسہ کے ہر اہم معاملے میں رائے پور کا مشورہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ (ایضاً) اسی طرح پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے وہ مدارس ومکاتب جنہیں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نے تعلیم القران کے سلسلے میں قائم فرمایا تھا اور وہ کہ جن کو آپ نے خود قائم فرمایا تھا ان تمام کی نگرانی و سرپرستی بھی آپ فرماتے رہے، خاص طور پر ریاست بہاولپور میں حضرت بہاول نگری اور حضرت جج عالم صاحب نے جو مدارس قائم کیے تھے ان کی ترقی اور پھیلاؤ کے لیے تامدت حیات کوشاں رہے۔ (ایضا)

تحریک احرار کی سرپرستی اور رہنمائی:

اس باب میں آپ کے سوانح نگار مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کی تحریر قابل ملاحظہ ہے: احرار کی تحریک گرچہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور چوہدری افضل حق مرحوم کی سیاسی ذہانت اور مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری کے اخلاص، جوش اور سحر بیانی کا نتیجہ تھی، لیکن اس کے قالب میں بھی جو دینی روح تھی، وہ حضرت ہی کے تعلق اور اخلاص وداد کا پرتو تھی، مولانا حبیب الرحمن ومولانا عطاءاللہ شاہ بخاری نہ صرف حضرت سے بیعت وانتساب کا تعلق رکھتے تھے، بلکہ ان کو حضرت سے اور حضرت کو ان دونوں سے بہت گہرا تعلق تھا، ان دونوں کے علاوہ احرار کے بیشتر علماء ورہنماء حضرت سے بیعت وتربیت کا تعلق رکھتے تھے، حضرت کو احرار کی تحریک سے بڑی توقعات تھیں اور جاننے والوں میں سے کوئی بھی اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ حضرت کو تحریک احرار سے گہری دلچسپی اور اس کے رہنماؤں اور کارکنوں سے عزیزانہ اور سرپرستانہ محبت وشفقت تھی اور وہ بھی حضرت کو اپنا روحانی سرپرست اور پشت پناہ تسلیم کرتے تھے۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری۔ص:290)

تحریک قادیانیت کی تردید اور اس کا مقابلہ:

حضرت مولانا کا اہم ترین اصلاحی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قادیانیت کہ جس کا آغاز اور اس کے تمام ادوار آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور اس تحریک کے حقیقی مقاصد اور اس کے اندرونی حالات سے بخوبی آگاہ تھے اور اس کو اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کا ذریعہ سمجھتے تھے، آپ نے اپنے پیش روؤں مولانا سید علی مونگیری اور علامہ شاہ کشمیری وغیرہ کی طرح قادیانیت کی مخالفت کو اپنے لیے افضل عبادت اور افضل جہاد سمجھا، لہذا آپ نے ہر اس تحریک اور اس شخص کی رہنمائی اور سرپرستی فرمائی جو قادیانیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کوشاں تھے، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی قادیانیت کے رد میں معرکۃ الآراء تصنیف ''القادیانی'' قادیانی دراسۃ وتحلیل حضرت ہی کی کاوش وکوشش کا نتیجہ تھی، بلکہ صاحب کتاب نے تو اس کو حضرت کی کرامت قرار دیا، لکھتے ہیں؛ میرے لیے اور ان سب دوستوں کے لیے جو میری افتاد تطبع سے اور ثقافت سے واقف ہیں اور انہوں نے یہ کتاب پڑھی ہے، یہ بات سخت تعجب خیز ہے کہ یہ کتاب اس قلیل عرصہ میں ایک ایسے شخص کے قلم سے کیسے تیار ہوگئی، جو اس موضوع کے ابجد سے بھی ناواقف اور اس کوچہ سے یکسر نابلد تھا، تقریباً

ایک مہینہ کی قلیل مدت میں اس پورے کتابی ذخائر کا جائزہ بھی لیا گیا، نوٹس بھی تیار کیا گیا اور عربی میں منتقل بھی کر لیا گیا، اگر اس کو حضرت کی کرامت سمجھا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا، میں اس کو جب بھی دیکھتا ہوں مجھے خود حیرت ہوتی ہے اور اس کو محض تائید غیبی اور ایک مخلص کی دعا اور فکر کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری۔ص:240)

اصلاحی ودعوتی اسفار اور دورے:

حضرت کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ وہ ہے جو آپ کے دعوتی، تبلیغی اور اصلاحی اسفار پر مشتمل ہے، جس میں ایک کثیر خلقت نے آپ سے رجوع واستفادہ کیا اور اپنی روحانی تشنگی کو آپ کے فیض روحانیت سے سیراب کیا اور ان اسفار میں درجنوں مدارس و مکاتب کا قیام بھی آپ کی ذات بابرکت سے عمل میں آیا، ان میں وہ اسفار اور دورے خاص اہمیت کے حامل ہیں جو آپ نے مشرقی ومغربی پنجاب کی جانب فرمائے، اس کے علاوہ ضلع سہارن پور کے حضرت شیخ الحدیث زکریا کاندھلوی اور دیگر علماء وفضلاء کے ہمراہ بکثرت تبلیغی، تنظیمی واصلاحی دورے ہوتے رہتے تھے، جن میں صدہا اشخاص کو توبہ اور بیعت کا موقع ملتا، ہزاروں بندگان خدا علماء و صلحا کی زیارت اور کسی نہ کسی حد تک ان کی صحبت سے مشرف ہوتے، دینی مکاتب اور مدارس کے قیام کا لوگوں کو خیال پیدا ہوتا، چھٹمل پور ضلع سہارنپور کا مشہور ومعروف ادارہ کاشف العلوم آپ ہی کی تحریک سے قائم ہوا تھا، 10 ذی قعدہ سنہ 1365ھ 11 اکتوبر 1946ء کو آپ ہی نے اسکا سنگ بنیاد رکھا۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری۔ص:126 تا 141)

آپ کے فیض یافتگان مریدین ومسترشدین:

قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری کا فیضان بڑا وسیع اور ہمہ گیر ہے، ہزاروں لاکھوں انسانوں نے آپ کی ذات سے فیض حاصل کیا، ہر طبقہ کے لوگ آپ کے فیضان ذات سے اور آپ کی صحبت میں رہ کر مستفید ہوئے، ان میں بہت سے حضرات وہ بھی تھے جو پہلے سے کسی نہ کسی دین کے شعبہ میں کام کر رہے تھے اور وہ خود اپنی ذات میں انجمن ہوتے تھے، محض اصلاح نیت کے جذبہ سے آپ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے اور ان میں سے جن حضرات کے حالات کچھ درست ہوتے اور دینی ماحول بنانے میں ممد ومعاون بنتے، آپ انہیں دوسروں کو اللہ کا نام بتانے کی اور عام لوگوں میں عقائد کی درستگی اور اعمال کی اصلاح کی اجازت دیتے تھے، اسی طرح وہ لوگ بھی جنہوں نے اپنے آپ کو مٹا کر بڑے عزم وہمت سے اس عظیم خانقاہ کے مزاج عالی کو اپنے قلب میں جگہ دی اور اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ گئے اور خانوادۂ ولی اللہی اور ان کے جانشین حضرات مجددین امت کے فکر وعمل کو آگے منتقل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے، ان میں نمایاں حضرات شاہ عبدالعزیز رائے پوری، شاہ سعید احمد رائے پوری، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور نعمانی نفیس الحسن الحسینی، حاجی عبدالوہاب، مفتی عبدالقیوم رائے پوری، مفتی عبدالغنی ازہری، اور مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری رحمہ اللہ ہیں۔ (دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا وروایات اکابر)

نئے دور کا ہسٹریا

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

بھوت، پریت، خبیث، آسیب، چڑیل، کے آپ قائل ہوں یا نہ ہوں، واقف تو بہرحال ان کے ناموں سے اور کارناموں سے ہوں گے۔ فلاں پر ''شیخ سدّو'' آ گئے، اور وہ کھیلنے لگا۔ فلاں پر ''لونا چماری'' کا اثر ہوگیا۔ فلاں کو ''کلوا بیر'' نے دبالیا۔ فلاں کو آسیبی خلل ہوگیا۔ فلاں پر جنّات آ گئے، فلاں پر پریوں کا سایہ ہوگیا۔ یہ چیزیں کس کے علم میں نہیں؟ کون ان سے باخبر نہیں؟ اس کے بعد وہ انسان اپنے آپ میں کہاں۔ اب وہ چیز ہی کوئی اور۔ اچھا خاصہ، بھلا چنگا انسان، اور جہاں اُس پر کوئی آنے لگا، اُس کے سر پر کوئی سوار ہوگیا، بس وہ اپنے قابو میں نہیں۔ اَول فَول بکے گا، دیوانوں کی طرح دوڑے گا، مارے گا، آنکھیں نکالے گا، دانت پیسے گا، بے وجہ روئے گا، بلاوجہ ہنسے گا، اور جب تک یہ جنون کا دَورہ طاری رہے گا، وہ اپنے آپ میں نہ رہے گا۔ ہوگا کچھ اور نظر آئے گا کچھ.....اسباب طبّی وطبیعی جو کچھ بھی ہوں، علامات وآثار کا خلاصہ بس یہی ہے۔ جن اور بھوت، آسیب وخبیث کے افسانے پارینہ ہو چکے۔ اصطلاحیں پُرانی ہوگئیں۔

اس دَور میں جام اور ہے مے اور ہے جم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

اب ''آسیبی خلل'' نئے نئے ناموں سے پڑنے لگے۔ لوگوں کے دماغ، فیشن ایبل اصطلاحوں کے ماتحت بگڑنے لگے۔ بدحواسیاں، خودفراموشیاں، خودبیزاریاں سب وہی۔ لیبل، سب پر نئی جگمگاتی روشنی کے لگے ہوئے۔ ٹھپّے سب کے جھل جھلاتے ہوئے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ ''ترقی'' ہم مسلمان جبھی کر سکتے ہیں، جب بے تکلف سودی کاروبار شروع کر دیں، اور بینک کھولنے لگیں۔ دوسرے فرماتے ہیں، کہ جب تک ہم اپنی عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش، سینہ بسینہ لا کھڑا نہ کریں گے، ترقی کے دَور میں کسی قوم سے بازی لے ہی نہیں جا سکتے۔ تیسرے صاحب کا ارشاد ہے کہ اصل چیز دولت کی صحیح تقسیم ہے، جب تک سوشلزم کی بنیاد پر ملت کی ازسرِ نو تنظیم نہیں کرتے، ہم مسلمان پنپ نہیں سکتے۔ چوتھی سمت سے صدا بلند ہوتے ہے کہ قومی فلاح کا راز ''منع حمل'' ہے، سلسلۂ توالد بند کرو، اور اپنی عورتوں کو آزادی کا سانس لینے کا موقع دو۔ ایک اور صاحب کی تبلیغ ہے کہ زندہ رہنا ہے، تو زندہ قوموں کا رسم الخط اختیار کرو، اپنے نستعلیق ونسخ پر خط نسخ کھینچ دو، اور لاطینی حروف بائیں سے داہنی طرف لکھنے شروع شروع کر دو۔ ایک اور بزرگ کا وعظ ہے کہ ہمیں روایاتِ حدیث نے تباہ کر ڈالا، مسلمان بنے رہنا اور اسلام پر قائم رہنا ہے، تو بخاری اور مسلم کے دفتروں کو آگ لگا دو!..... یہ سب اگر طبّی اصطلاح میں ''ہسٹیریا'' نہیں تو اور کیا ہے؟ خوش اعتقادوں کی زبان میں اگر آسیب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟ (بقیہ ص:۳۵/ پر)

اپنی اولاد کو عیش پسند نہ بنائیں

ناصر الدین مظاہری

میرا ایک سیدھا سا نظریہ ہے کہ اپنی اولاد کو آرام اور آسائش کا عادی نہیں بنانا چاہیے۔ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہی آگے بڑھتا ہے، جس میں محنت کرنے کا حوصلہ ہو، جو مشقت سے نہ گھبرائے اور جو اپنے کام خود کرنے کا عادی ہو۔ اگر بچپن ہی سے بچوں کو ہر سہولت مہیا کر دی جائے، ہر کام ان کے لیے کر دیا جائے، تو وہ عملی زندگی میں کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ بچے کو خود سے کھانا کھانے، اپنے برتن سنبھالنے، کپڑے دھونے اور چھوٹے موٹے گھریلو کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یہ کام بظاہر معمولی لگتے ہیں، مگر یہی انسان کے اندر خود اعتمادی اور ذمہ داری پیدا کرتے ہیں۔ جو بچہ اپنے چھوٹے کام خود کر لیتا ہے، وہی آگے چل کر بڑے کاموں کے قابل بنتا ہے۔

اسی طرح جسمانی محنت بھی بے حد ضروری ہے۔ آج کل بچوں کو ہر جگہ سواری میسر ہے، نتیجہ یہ کہ نہ جسم میں طاقت رہتی ہے اور نہ طبیعت میں برداشت۔ اگر روزانہ کچھ فاصلے تک پیدل چلنے کی عادت ڈال دی جائے، تو نہ صرف صحت بہتر ہوتی ہے بلکہ انسان میں صبر اور استقلال بھی پیدا ہوتا ہے۔ میری نظر میں تعلیم کے زمانے میں سادہ زندگی گزارنا بہت ضروری ہے۔ ہوسٹل کی زندگی، عام حالات میں رہنا، خود اپنے معاملات سنبھالنا، یہ سب چیزیں انسان کو عملی دنیا کے لیے تیار کرتی ہیں۔ جو بچہ صرف آرام دہ ماحول میں پلا بڑھا ہو، وہ مشکلات کا سامنا کرنے میں اکثر پیچھے رہ جاتا ہے۔

اسی طرح موبائل اور جدید سہولتوں کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ اگر بچے کو ایسا موبائل دے دیا جائے جس میں ہر وقت یوٹیوب اور دیگر ایپلی کیشنز چلتی رہیں، تو اس کی توجہ بٹ جاتی ہے اور وہ تعلیم سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچوں کو ان چیزوں کا عادی نہ بنایا جائے، بلکہ ان کی توجہ محنت اور علم کی طرف رکھی جائے۔ البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مکمل سختی بھی درست نہیں۔ ضرورت کے مطابق سہولت دینا اور بچوں کو سمجھا کر، محبت کے ساتھ صحیح راستے پر ڈالنا ہی اصل حکمت ہے۔

مقصد یہ نہیں کہ ان کی زندگی کو مشکل بنا دیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ ان میں مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر آپ کا بچہ روز گوشت کھانے، پزہ، برگر، موز، چاؤمن کھانے کا عادی ہے، تو تعلیمی اداروں میں ملنے والا کھانا، بچہ کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ ہوسٹل سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ بچہ کو سمجھائیں کہ تم مرد ہو اور مرد محنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انھیں بتائیں کہ تعلیم ہی وجہ امتیاز ہے، اقوام کی تقدیریں تعلیم سے عبارت ہیں، ملکوں کی ترقی تعلیم پر منحصر ہے، گھرانے اور خاندان تعلیم کے بغیر ادھورے ہیں۔ عہدے، مناصب تعلیم یافتگان کو ہی مناسب ہیں۔ تاج سر پر اور ہار

گلے میں ہی اچھا لگتا ہے، سو آپ اپنی اولاد کو خوب تعلیم دلوائیں، تربیت دلوائیں، محنت کرائیں، ہنر سکھائیں اور مہذب ماحول و معاشرہ میں تہذیب کے ساتھ جینا سکھائیں۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم کے حصول میں محنت اور مشقت پہلی شرط ہے۔ جو قوم اپنی نسل کو آرام طلب بنا دیتی ہے، وہ ترقی نہیں کرسکتی۔ اور جو اپنے بچوں میں محنت، سادگی اور خود انحصاری پیدا کرتی ہے، وہی کامیابی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔

****

(صفحہ: ۳۳ رکابقیہ)

یہ ملؔ اور مالتھسؔ، مزدکؔ، اور مارکسؔ، دَورِنو کے نئے عفریت جس طرح افراد کے سر پر آجاتے ہیں، اُسی آسانی کے ساتھ قوموں اور جماعتوں کو بھی پچھاڑ دیتے ہیں۔ اور ''روشن خیالی'' اور ''تجدد نوازی''، ''سوشلزم'' اور ''کمیونزم'' کی بیماریاں جس طرح افراد و اشخاص کو توڑ دیتی ہیں، اسی طرح یہ وبائیں پوری آبادیوں کی آبادیوں میں بھی پھوٹ پڑتی ہیں، اور دیکھتے دیکھتے قوم کی قوم کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

ترکیہ ان بلاؤں کا شکار ہو چکا، مصر ان کے آگے جھک گیا، ایرانؔ ان میں مبتلا ہو چکا، عراقؔ، شامؔ، فلسطینؔ، سب میں ان کے قدم جم چکے، ہندوستانؔ اُن کی زد سے کب تک باہر رہ سکتا تھا۔ اس پر ان کے دھاوے ہوئے، بار بار ہوئے، اور ہو رہے ہیں، ہر بار پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ، پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ، اور ان حملوں اور پیش قدمیوں کے نقیب آج کون کون ہیں؟ کوئی اور نہیں، آپ ہی کے بڑے بڑے اخبارات و رسائل، آپ ہی کی قوم کے فلاں لیڈر، اور ایڈیٹر۔ پریس، اور ریڈیو اور سینما۔

سائنس اور قرآن

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی

بادل کی قسمیں اور اس کا طریقہ کار

سائنسی تحقیق یہ ہے کہ بادل کی نو قسمیں ہیں، ایک تو انتہائی اوپر چالیس ہزار فٹ یا بارہ کیلومیٹر سے بھی اوپر ہوتا ہے، یہ بہت ٹھنڈا ہوتا ہے، تین بادل سیریں، سیروکومولس اور سیرواسٹرلٹیس، یہ تین قسم کے بادل بارہ کیلومیٹر اور نو کیلومیٹر کے درمیان میں ہوتے ہیں، چونکہ ۹ رکیلومیٹر اوپر میں ٹھنڈی درجہ انجماد کو پہنچ جاتی ہے، اس لئے ان تینوں بادلوں میں پانی جم کر برف ژالہ اور اولا بن جاتا ہے اور زمین پر گرنے لگتا ہے۔

چوتھی قسم کا بادل کومولونمبس Cumulo Nimbus سب بادلوں سے اہم بادل ہوتا ہے۔ گرم ممالک میں جب بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے تو بادل آندھی، طوفان اور ہواؤں کے جھکڑ کے ساتھ نیچے سے اوپر اٹھتا چلا جاتا ہے اور تقریباً نو، دس کیلومیٹر اوپر چلا جاتا ہے اور پورے افق کو گھیر لیتا ہے، اس بادل کا جو حصہ نو کیلومیٹر اوپر جاتا ہے اس کا پانی بہت ٹھنڈی کی وجہ سے جم کر برف بن جاتا ہے اور اولے اور برف کی شکل میں زمین پر گرنے لگتا ہے، بادل کا جو حصہ ۹ رکیلومیٹر سے نیچے ہوتا ہے اس کا پانی ٹھنڈا ہو کر بارش بن جاتا ہے اور بہت تیز موسلا دھار بارش ہوتی ہے، گرم ملکوں میں اسی بادل سے موسلا دھار بارش ہوتی ہے، اس بادل کے نچلے حصے میں نیگٹیو چارج Negative Charges اور اوپر کے حصے میں پوزیٹو چارج Positive Charges ہوتا ہے، بادل میں تیز جھکڑ کی وجہ سے دونوں چارج مل جاتے ہیں جس کی وجہ سے بادل میں الیکٹرک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جل اٹھتی ہے، اس کی وجہ سے بادل میں بجلی کی چمک دکھائی دیتی ہے۔

سائنس کا کہنا ہے کہ انہیں دونوں چارجوں کے ملنے کی وجہ سے بادل میں بجلی چمکتی ہے، وہ دور تک چمک کر فوراً بجھ جاتی ہے، یہ بادل تیز جھونکوں کی وجہ سے آپس میں ٹکراتا ہے، جس کی وجہ سے کڑک کی آواز نکلتی ہے، جیسے ہوائی جہاز کے پنکھے فضا میں چلتے ہیں تو بہت تیز آواز ہوتی ہے، اسی طرح بادل آپس میں ٹکراتے ہیں تو کڑک کی آواز ہوتی ہے۔

ہوائی جہاز بادل سے اوپر جاتا ہے تو بادل برابر اور پلین نظر آتا ہے، لیکن کومولس نیمبس بادل پہاڑ کی طرح ابھرا ہوا اور اونچا نظر آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادل کا پہاڑ اٹھا ہوا ہے، قرآن کریم نے اس اہم بادل کے سارے خصوصیات اس آیت میں بیان کیا ہے:

”اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَاماً فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ وَیُنَزِّلُ

مِنَ السَّمَاءِ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُه عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ''
(سورۃ النور ۲۴ آیت ۴۳)

ترجمہ: ''کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے، پھر اس کو باہم ملا دیتا ہے، پھر اس کو تہ بتہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ وہ اس کے بیچ میں سے نکل کر آتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے، اس بادل کی بجلی کی چمک سے گویا اب بینائی جایا ہی چاہتی ہے۔''

سائنس نے جو نو قسم کے بادلوں کی تحقیقات کی اور اس سے بارش، برف اولے، ژالے کڑک اور بجلی بننے اور کڑک و بجلی پیدا ہونے کے طریقے کو بیان کیا، ٹھیک اسی طرح سے حقیقت میں بھی ہے، ہوائی جہاز سے بادل کے اوپر جا کر دیکھا تو واقعی کومولونیمبس بادل پہاڑ کی طرح ابھرا ہوا ہوتا ہے اور اسی سے برف اور اولے زیادہ تر گرتے ہیں اسی میں بجلی، چمک اور کڑک پیدا ہوتیں ہیں، سائنسی تحقیقات سے صدیوں پہلے اس قسم کی باتیں پیش کرنا کلام خداوندی ہونے پر شاہد عدل ہے۔

بارش سے لدی ہوئی ہوا

فضا میں بہت سے گیس اور بہت سی ہوائیں ہیں، لیکن بادل پر اثر انداز ہونے کے لئے دو قسم کی ہوائیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: ایک ''خشک ہوا''، جب یہ ہوا چلتی ہے تو بادل کو پھاڑتی چلی جاتی ہے، اس کی وجہ سے بادل پھٹ کر منتشر ہو جاتا ہے اور وہ بارش نہیں برساتا۔

دوسری قسم ''مانسون ہوا'' یہ چلتی ہے تو منتشر بادل کو جوڑ دیتی ہے، بادل میں بھاپ اور پانی پہلے سے موجود رہتے ہیں، اس ہوا کی وجہ سے بھاپ ٹھنڈی ہو کر پانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بادل کے درمیان سے بوندیں ٹپکنے لگتیں ہیں۔ نزول قرآن کے وقت اتنی ساری تحقیقات نہیں ہوئیں تھیں کہ بلندی پر بادل میں بھاپ ہے اور ہوائیں اس کو ٹھنڈی کر کے بارش کے قابل بناتی ہیں، گویا کہ یہ ہوائیں بادل کو حاملہ کر رہی ہیں۔

قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کا پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

''وَاَرْسَلْنَا الرِيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ'' (سورۃ الحجر ۱۵ آیت ۲۲)

ترجمہ: ''اور ہم ہی پانی سے لدی ہواؤں کو بھیجتے ہیں، پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں، پھر وہی پانی ہم تم کو پلاتے ہیں، قرآن نے صرف ایک جملہ ''وَاَرْسَلْنَا الرِيحَ لَوَاقِحَ'' سے سائینس کی ساری تحقیقات کی طرف اشارہ کر دیا۔''

زمزم: فضیلت، اہمیت اور فوائد

مولوی عظیم اللہ

دنیا کے اندر پانی کی اور بھی بہت ساری اقسام ہیں، مگر باری تعالیٰ نے ان تمام پر ''زمزم'' کو ایسی فوقیت دی ہے اور ایسی برتری بخشی ہے جو کسی اور پانی کو نہیں بخشی۔ عام پانی کے پینے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اور نہ کسی پانی کو برکت کی اُمید سے پیا جاتا ہے، مگر زمزم پینے کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور برکتوں کی اُمید سے پیا جاتا ہے۔ اسی طرح عام پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بارِ گراں سمجھتے ہیں، جبکہ زمزم کو عشق و وارفتگی کے ساتھ شہروں شہروں، حجاج کرام اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور یہ درحقیقت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ منتقل کرتے تھے۔(۱) گویا حجاج اسے اپنے لیے بہترین تحفہ سمجھتے ہیں، اسی لیے اقبال مرحوم نے کہا تھا:

زائرینِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی　　کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں؟

زم زم کی تعریف:

زمزم یہ اسمِ علم ہے اور یہ اس کنویں کے لیے بولا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ میں مسجدِ حرام کے وسطی حصے میں واقع ہے۔(۲) لغوی اعتبار سے زم زم کے معنی ہیں: ''رُک جا، رُک جا'' اسی طرح بڑی مقدار کے پانی کو بھی زمزم کہا جاتا ہے۔(۳) جبکہ حضرت قتیبہؒ کہتے ہیں کہ پانی کی آواز کو بھی زم زم کہتے ہیں۔(۴) ''معجم البلدان'' اور ''لسان العرب'' وغیرہ میں اس کے اکیس نام اور بھی مذکور ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں: (۱) **هزمة الملک** (۲) **هی سقیا الله لإسماعیل** (۳) **هزمة جبرئیل** (۴) **الشباعة شراب الأبرار** اور **طیبة** وغیرہ، (۵) جبکہ ''**البحر العمیق**'' میں ان اکیس ناموں کے علاوہ تیئیس اور بھی مذکور ہیں، جن میں سے چند یہ ہے: (۱) **طاهرة** (۲) **زمازم** (۳) **عاصمة** (۴) **سالمة** (۵) **صافیة** (۶) **ظاهرة** (۷) **عافیة** اور **مبارکة** وغیرہ۔

پس منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بمع اہل وعیال مکہ مکرمہ میں ہجرت کرنے سے قبل یہ جگہ (جہاں آبِ زم زم کا کنواں ہے) ایسی وادی تھی کہ چاروں طرف پہاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اس سرزمین میں اپنے حرم اور مرکزِ عبادت و رشد و ہدایت کے دوبارہ قیام کا ارادہ فرمایا، تو حضرت خلیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے لختِ جگر اور اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر اس وادیِ غیر ذی زرع کی طرف ہجرت کر جائیں، حکم کے امتثال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو افراد

پر مشتمل اپنے خاندان کو لا بسایا اور ساتھ لایا ہوا توشہ اور اور حضرت ہاجرہ و اسماعیل کو چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے۔ جب زادِ سفر ختم ہوا تو ننھے اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے، ماں کی مامتا سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوگئیں، صفا کی بلندیوں پر چڑھیں، پانی نہ ملا، پھر اُتریں اور دوسری جانب کچھ اس انداز اور روش سے چلیں کہ مُتّا نظروں سے اوجھل نہ ہو، مروہ کی طرف چلتے ہوئے نشیب میں اسماعیل علیہ السلام آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو ہاجرہ نے اس فاصلہ کو دوڑ کر طے کیا، کل کی وہ ہاجرہ کی دوڑ ہی آج کی سعی ہے۔

مروہ پر چڑھ کر بھی کہیں پانی نہ ملا، بے قراری کی اس حالت میں صفا مروہ پر سات مرتبہ چڑھنا اُترنا ہوا، ساتویں چڑھائی تھی کہ کچھ آواز سنائی دی، آہٹ پر جب نظر گئی، دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ موجود ہے، دوڑ کر آئیں تو جبرائیل امین علیہ السلام نے تسلی کے کلمات ارشاد فرمائے اور پھر اپنا ''پَر'' زمین پر مارا، تو ایک چشمہ نمودار ہوا، ایک طرف جگر گوشے کی پیاس کی وجہ سے تڑپنے نے ممتا کا کلیجہ پھاڑ رکھا تھا اور دوسری طرف پانی ملنے کی خوشی نے حضرت ہاجرہ کو فرحت کے وہ فردوس دکھائے کہ بے جان پانی کو مخاطب کیا، گویا اماں بزبان حال کہہ رہی تھیں کہ ماں کی ممتا دیکھ کر تو اُبل بڑا، اتنا ترس کھایا، .... حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے زم زم کہتے ہوئے باڑھ بنائی، پانی جمع کر کے مشکیزہ بھرا اور جی بھر کر اپنے لعل کو بھی پلایا اور خود بھی سیراب ہوئیں۔(۶)

فضائل وفوائد:

زمزم کا پانی ہمیشہ سے محترم ومقدس سمجھا جاتا رہا ہے، اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے زائرین نہ صرف اسے پیتے ہیں، بلکہ بطور تبرّک اپنے ساتھ لے کر بھی جاتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ: ''**أنّها كانت تحمل من ماء زمزم وتخبر أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلّم كان يحمله**۔''(۷) یعنی جب اماں عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ لوٹتی تھیں تو زمزم ساتھ لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمزم ساتھ لے جاتے تھے۔

کعبہ شریفہ چونکہ اہلِ اسلام کا قبلہ ہے، اس لیے حج اور زیارت کے موقع پر یہ ان لوگوں کی ضیافت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ اپنی روحانی برکتوں کے علاوہ آبِ زم زم دنیا کا بہترین پانی ہے جو بھوک اور پیاس میں یکساں مفید ہے، اور اس وادی غیر ذی زرع میں آبسنے والے ان دو پاکیزہ نفوس کی جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان تھے اور زمزم کی نعمت غیر متوقع اور غیر مترقبہ مل گئی تھی، ان کی واحد کفیل تھی، یعنی پیاس میں زمزم سے سیرابی بھی اور بھوک میں زمزم ہی سے سیر شکمی ہوتی تھی۔

مسلم شریف میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم کا پانی کھانے کے قائم مقام ہے اور بیماری کی دوا ہے۔(۸)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے احمد بن حنبلؒ بیان کرتے ہیں کہ: زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے مفید ہے۔(۹)

اورامام ابن ماجہؒ نے بھی یہ حدیث عبداللہ بن مؤملؓ کے حوالے سے ذکر کی ہے: ''ماء زمزم لما شرب له۔''(۱۰)

حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو کہا کہ جب تو زمزم کا پانی پیے، تو کعبہ کی طرف رخ کر کے اللہ کا نام لے کر تین سانسوں میں خوب پیٹ بھر کر پی، بعدازاں الحمد لله کہہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور منافقوں کے درمیان امتیازی شان یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر آبِ زم زم نہیں پیتے۔(۱۱)

سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ جب جناب عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودا تو اعلان کیا: ''لا أحلها لمغتسل، وهي لشارب حلّ وبلّ'' یعنی ''یااللہ! میں آبِ زم زم غسل کرنے والوں کے لیے حلال نہیں سمجھتا اور پینے والوں کے لیے مباح ہے۔''(۱۲)

بیماری کے لیے زمزم کا استعمال

حجاج کرام اور معتمرین اسے اپنے ساتھ لاتے، محفوظ کرتے اور بیماریوں کے لیے استعمال کرتے ہیں، چنانچہ یہ عمل بھی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

''حملهٗ رسول الله ﷺ في الأوادي والقرى وكان يصبّ على المرضٰى ويستقيم۔''(۱۳)

''آپ ﷺ اسے اپنے ساتھ مٹکوں میں لاتے اور آپ ﷺ اسے مریضوں پر ڈالتے اور انہی کو پلاتے تھے۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

''خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم فيه طعام الطعم وشفاء السقم۔''(۱۴)

''روئے زمین پر سب سے بہتر پانی زمزم ہے، اس میں غذائیت اور بیماری کی شفا ہے۔''

ان روایتوں اور ان جیسی اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی دوائیوں سے جیسے علاج کرنا مباح اور جائز ہے، زمزم کے ذریعے بھی علاج کرنا صرف مباح نہیں، بلکہ مسنون بھی ہے۔

دنیوی مسائل کے لیے زمزم پینا

زمزم کی افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے ایک اور ارشاد میں فرماتے ہیں: ''مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ إِنْ شَرِبْتَهٗ تَسْتَشْفِيْ بِهٖ شَفَاكَ اللّٰهُ، وَإِنْ شَرِبْتَهٗ لِشِبَعِكَ اَشْبَعَكَ اللّٰهُ بِهٖ، وَإِنْ شَرِبْتَهٗ لِيَقْطَعَ ظَمَاكَ قَطَعَهُ اللّٰهُ، وَهِيَ هَزْمَةُ جِبْرِيْلَ وَسُقْيَا اللّٰهِ إِسْمَاعِيْلَ۔''(۱۵) یعنی ''زمزم ان تمام مقاصد کے لیے ہے جن کے لیے اسے پیا جاتا ہے، اگر تم اسے شفایابی کے لیے پیو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں شفا نصیب کریں گے، اگر اسے شکم سیری کے لیے پیو گے تو اللہ تعالیٰ شکم سیر کر دیں گے، اگر اسے پیاس بجھانے کے لیے پیو گے، اللہ تعالیٰ دور کر دیں گے۔ یہ کنواں حضرت جبریل علیہ السلام کا کھودا ہوا ہے، اور یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیرابی کا انتظام ہے۔'' اس حدیث کی روشنی میں فقہاء نے وضاحت فرمائی ہے کہ دنیاوی یا اخروی مسائل کو حل کرنے کے لیے آبِ زم زم پینا مسنون ہے۔

شفاء الغرام میں امام تقی الدین فاسیؒ نے لکھا ہے کہ احمد بن عبداللہ شریفی نابینا ہو گئے تھے، انہوں نے ماءزمزم بینائی واپس آجانے کی نیت سے پیا، پس بفضل اللہ آپ کی بینائی لوٹ آئی۔(۱۶)

علامہ ذہبیؒ نے عبداللہ بن مسلم یا ان کے بیٹے احمد بن عبداللہؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے میں گیا، اس جماعت میں ایک فالج زدہ آدمی تھا، میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ صحیح سالم ہے اور طواف کر رہا ہے اور اس پر فالج کے بالکل آثار نہیں ہیں، پوچھنے پر اس نے بتایا: میں بئر زمزم پر آیا اور زمزم لے کر اپنی دواۃ میں ڈالا اور اس دواۃ کی روشنائی سے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات لکھیں، اور پھر سورۂ اسراء کی آیت ''وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا'' (۱۷) لکھی اور پھر میں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ! آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ماء زمزم لما شرب لهٗ'' اور یہ قرآن آپ کا کلام ہے، پس (اس کی برکت سے) عافیت کے ساتھ مجھے شفا عطا فرما دیجئے۔ اور پھر میں نے اسے آبِ زمزم کے ساتھ گھولا اور پی لیا، پس مجھے عافیت مل گئی اور فالج کے مرض سے بإذنِ اللہ نجات مل گئی۔(۱۸)

ابن قیم رحمہ اللہ اپنا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مجھ پر ایسا وقت گزرا کہ میں مریض تھا، نہ طبیب میسر تھا اور نہ دوا موجود تھی، تو میں آبِ زم زم شفا کی نیت سے پیتا تھا اور ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' (۱۹) پڑھتا تھا، پس مجھے مکمل شفا حاصل ہو گئی۔(۲۰) ان روایات، فقہاء اور ائمہ کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ زمزم دنیوی مسائل کے حل کے لیے بھی انتہائی مفید اور مسنون عمل ہے۔

اُخروی مسائل کے لیے زمزم کا پینا:

بعض صحابہ کرامؓ اور حضرات ائمۂ اُمت سے اخروی مسائل میں آسانی کے لیے زمزم کا پینا ثابت ہے۔ ''الجوهر المنظم'' ص: ۶۲ پر ''فضل ماء زمزم'' کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زمزم پیا اور یوں کہا: ''اللّٰهم أشربه لظمأ يوم القيامة'' یعنی ''میں اسے قیامت کے دن کی پیاس سے بچنے کی نیت سے پی رہا ہوں۔''(۲۱)

اسی طرح عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے منقول ہے کہ وہ زمزم پیتے وقت یہ کہتے کہ: مجھے یہ حدیث ''ماء زمزم لما شرب لهٗ'' پہنچی ہے۔ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اے اللہ! میں اُسے قیامت کی پیاس بجھانے کے لیے پی رہا ہوں۔(۲۲) معلوم ہوا زمزم اُمتِ محمدیہ کو خداوندِ قدوس کی طرف سے وہ نعمتِ عظمیٰ اور وہ گوہرِ نایاب دستیاب ہوا ہے کہ دنیوی اور اُخروی دونوں قسم کے مصائب اور مسائل سے نجات پانے کا نہایت ہی آسان اور سہل راستہ میسر ہوا ہے۔

زمزم پیتے وقت دعا کی قبولیت:

دعا کی قبولیت بعض اوقات مکان کے ساتھ (۲۳) جبکہ بعض اوقات زمان کے ساتھ معلق ہوتی ہے، جیسے

احادیث میں دوخطبوں کے درمیان (۲۴) اور بعض دوسری احادیث میں عصر اور مغرب کے درمیان کا ذکر ہے، (۲۵) جبکہ کچھ حدیثوں میں اذان (۲۶) اور اقامت کے درمیان دعا کی مقبولیت کا ذکر بھی آتا ہے۔ (۲۷) اسی طرح زمزم پیتے وقت بھی اگر دعا کی جائے تو اسرع بالقبولیت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب زمزم پیتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللّٰهم إني أسئلک علمًا نافعاً و رزقاً واسعاً و شفاءً من کلّ داء۔'' (۲۸)

اسی طرح زمزمی نے ''نشر الآس'' میں ''قرة العين'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس لیے پیا کہ یا اللہ! مجھے أعلم العلماء بنا دیجئے۔ امام صاحبؒ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ اپنے زمانے کے أعلم العلماء بن گئے، فقہ میں جو ان کا مقام ہے وہ اہلِ علم و اہلِ حق پر عیاں ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ: ''الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة۔'' (۲۹) یعنی ''لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔''

اور اسی طرح کا واقعہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن خزیمہؒ سے پوچھا گیا: آپ کو کہاں سے (اتنا زیادہ) علم حاصل ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے زمزم اس نیت سے پیا کہ اے اللہ! مجھے علم نافع عطا فرما دیجئے۔ (۳۰)

زمزم تقویتِ قلب کے لیے پینا:

زمزم کے اندر ذوالجلال نے یہ خاصیت بھی رکھی ہے کہ اس سے دل مضبوط ہوجاتا ہے اور دل کی گھبراہٹ ختم ہوجاتی ہے۔ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کرکے اسے زمزم سے اسی لیے دھویا گیا، تاکہ اس کے اندر آسمان و زمین کے ملکوت اور جنت و جہنم کے دیکھنے کی قوت پیدا ہوجائے۔

زمزم پینے کا طریقہ:

زمزم پینے کا طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تین سانس میں قبلہ رو ہوکر پیا جائے اور خوب اچھی طرح سیراب ہوکر پیا جائے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ طریقہ ایک شخص کو بتایا تھا: ''إذا شربت من ماء زمزم، فاستقبل القبلة، و اذكر اسم الله، و تنفس ثلاثًا، و تضلع منها، فإذا فرغت، فاحمد الله عز و جل۔'' (۳۱) اور زمزم سیراب ہوکر نہ پینے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''إن آية ما بيننا و بين المنافقين، إنهم لا يتضلعون من زمزم۔'' کہ: ''ہمارے اور منافقوں کے بارے فرق یہ ہے کہ وہ زمزم پیٹ بھر کر نہیں پیتے۔'' (۳۲)

جہاں تک زمزم کھڑے ہوکر پینے کی بات ہے، جیسا کہ آج کل رواج ہوگیا ہے تو اس سلسلے میں فقہی تصریحات سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہوکر پینا مستحب نہیں ہے۔ البتہ عام پانی کی طرح اسے کھڑے کھڑے پینا مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ اسے کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہے، جیسے کہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''و لعل الأوجه عدم الكراهة إن لم نقل بالاستحباب لأن ماء زمزم شفاء و كذا فضل الوضوء۔'' (۳۳)

خلاصۂ کلام:

زمزم کوادب واحترام سے پیا جائے،اس کے اندر پوشیدہ برکات سے استفادہ کیا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔اس کی قدردانی کرنا اوراس کی حرمت کو پیشِ نظر رکھنا ایمانی فریضہ ہے،اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کاموں میں یہ پانی استعمال نہ کیا جائے جن سے اس کی توہین ہوتی ہے،مثلاً اس سے ناپاکی اور گندگی صاف کرنا یا اس سے استنجاء کرنا وغیرہ مکروہِ تحریمی ہے۔(۳۴) یہ پانی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قیمتی تحفہ ہے،ہمیں اس کے اندر ودیعت کردہ فوائد سے خود کو قیمتی بنانا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم کو اس متبرک پانی سے خوب خوب سیراب ہونا نصیب فرمائے،آمین،ثم آمین۔

حوالہ جات

(۱) صحيح مسلم: ۴/ ۱۹۱۹، حديث:۲۴۷۳ ۔(۲) مشارق الأنوار على صحاح الآثار: ۱/ ۳۱۵۔(۳)مشارق الأنوار على صحاح الآثار: ۱/ ۳۱۵۔(۴) غريب الحديث لابن قتيبة: ۲/ ۵۰۲۔(۵)لسان العرب: ۱۲/ ۲۷۵۔(۶)صحيح البخاري: ۴/ ۱۴۲۔(۷) سنن الترمذي، ت:بشار: ۲/ ۲۸۷ حديث:۹۶۳۔(۸) صحيح مسلم: ۴/ ۱۹۱۹، حديث:۲۴۷۳۔(۹) مسند أحمد مخرجا: ۲۳/ ۱۴۰، حديث: ۱۴۸۴۹۔(۱۰) سنن ابن ماجة: ۲/ ۱۰۱۸، حديث: ۳۰۶۲۔(۱۱) المستدرک على الصحيحين للحاكم: ۱/ ۶۴۵، حديث: ۱۷۳۸۔(۱۲) السيرة النبوية لابن كثير: ۱/ ۱۷۳۔(۱۳)ا لبيهقي، ج: ۵، ص: ۲۰۲۔(۱۴) جمع الفوائد: ۱۳۶۸۱۔(۱۵) دار قطني، ج: ۲، ص: ۲۸۹۔(۱۶) شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام: ۱/ ۳۳۸۔(۱۷) سورة الاسراء، الآية: ۸۶۔(۱۸) سير أعلام النبلاء، ج: ۱۱، ص: ۲۱۲۔(۱۹) القرآن الكريم، سورة الفاتحة، الآية: ۵۔

(۲۰) زاد المعاد في هدي خير العباد: ۴/ ۱۶۴۔ (۲۱) الجوهر المنظم، ص: ۶۲۔(۲۲) البيهقي في شعب الإيمان، رقم الحديث: ۴۱۲۸۔(۲۳) الحصن الحصين للجزري، ط:عراس، ص: ۶۸۔(۲۴) سنن أبي داود، ت: الأرنؤوط: ۲/ ۲۸۲، رقم الحديث: ۱۰۴۹۔(۲۵) سنن الترمذي، ت: بشار: ۱/ ۶۱۹، رقم الحديث: ۴۹۱۔(۲۶)سنن النسائي، رقم الحديث: ۶۲۹، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتبة المطبوعات الإسلامية بحلب، ج: ۲، ص: ۲۶۔(۲۷)سنن الترمذي، ت:بشار، باب ماجاء في أن الدعاء لايرد بين الأذان والإقامة، رقم الحديث: ۲۱۲، ج: ۱، ص: ۲۸۸۔(۲۸) الدارقطني في السنن الكبرى، ج: ۲، ص: ۲۸۸ ۔(۲۹) العبر في خبر من غبر: ۱/ ۱۶۴۔(۳۰) سير أعلام النبلاء، ط: الحديث: ۱۱/ ۲۲۸ ۔(۳۱)مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۹/ ۴۷۔(۳۲)سنن ابن ماجة: ۲/ ۱۰۱۷۔(۳۳) شامي، ج: ۱، ص: ۸۸۔(۳۴) شامي، ج: ۲، ص: ۲۸۶۔

فقہ وفتاوی

مفتی محمد ریحان گودھروی

مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی، بٹن اور کفلنگ بنانا اور فروخت کرنا

سوال.....: مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی، کرتوں کے بٹن اور کفلنگ بنا کر دینا یا پہلے سے تیار کر کے فروخت کرنا کیسا ہے؟ جبکہ ان کو بنانے میں یقین ہے کہ ان کو مسلمان مرد ہی استعمال کرے گا۔ شرعی حکم واضح فرمائیں۔

جواب.....: مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لہذا ایسے مرد کو سونے کی انگوٹھی فروخت کرنا مکروہ یعنی ناجائز ہے جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ خود استعمال کرے گا۔

نیز سونے کی ایسی انگوٹھیاں بنانا اور فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے جو مردوں کے لئے مخصوص ہوں، یا جن کے بارے میں یقین ہو کہ وہ مرد استعمال کریں گے، اسی طرح سونے کے بٹن اور کفلنگ بنانا اور فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

"وبيع المكعب المفضض للرجل إن ليلبسه يكره، لأنه إعانة على لبس الحرام" (رد المحتار ۶/۳۹۲، زیورات کے مسائل)

قسطوں کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت اور اُدھار کی وجہ سے قیمت میں اضافے کا حکم

سوال.....: (خلاصۂ سوال) ہمارا علاقہ سیم زدہ ہے، موسم گرما میں سیم کا پانی تین فٹ زمین کی سطح پر رہتا ہے، سردیوں میں جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو اس پر ایسی گھاس ہوتی ہے جو بیلوں کے ذریعے ہل چلانے سے نہیں اُکھڑتی، جس کے لئے ہمیں ٹریکٹر لانا پڑتا ہے، وہ دس روپیہ فی گھنٹہ سے کم ملتا نہیں، اور اس کے حصول کے لئے بینک کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح بینک کے ذریعے سے پندرہ ہزار کا ٹریکٹر مل جاتا ہے، اس کی اقساط اور نفع ادا کرنے پر اٹھارہ ہزار روپے ادا کرنے پڑتے ہیں، مذکورہ اقساط سات سال کی مدت میں ادا کرنی پڑتی ہیں، اب اگر نقدی پر یہ ٹریکٹر خریدا جائے تب بھی اٹھارہ ہزار روپے میں خریدا جاسکتا ہے، اب نقدی سے تو ہم مجبور ہیں، کیا اب اقساط پر ہم ٹریکٹر حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب.....: صورت مسئولہ میں اگر اور وجہ معاملے کے ناجائز ہونے کی نہ ہو تو ٹریکٹر کو قسطوں پر خریدنا جائز ہے، اور اُدھار کی وجہ سے اصل قیمت پر کچھ اضافہ کر دینا فقہاء کی تصریح کے مطابق معاملے کو ناجائز نہیں بناتا، بشرطیکہ مجلس عقد میں قیمت کا نقد یا اُدھار ہونا معین ہو گیا ہو، لہذا معاملے کی جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ جائز ہے بشرطیکہ اس معاملے میں کوئی اور شرط فاسد نہ لگائی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۸۷/۱۲/۳ھ۔ فتوی نمبر ۱۳۸۵/۱۸ الف۔ ماخوذ از فتاوی عثمانی ۳/۱۱۶)

قسطوں پر سونے چاندی کی ادھار خرید وفروخت

سوال......: سنار (دوکاندار) ایک صاحب سے 24 کریٹ کا سونا خریدتے ہیں۔ اُس وقت مارکیٹ میں جو سونے کا بھاؤ ہوتا ہے اس کے حساب سے رقم طے کر لی جاتی ہے، یعنی یہ سونا ایک لاکھ روپے کا بن گیا اور اب یہ رقم آپ کی میری طرف اُدھار ہوگی اور میں ہر ہفتہ آپ کو 25 ہزار روپیہ دے کر رقم clear کر دوں گا۔

جواب......: چونکہ سونے کو روپیوں کے بدلے فروخت کرنے کا معاملہ عقد صرف نہیں ہے، لہذا سونے کو روپیوں کے بدلہ اُدھار فروخت کرنا اور باہمی رضامندی سے قیمت کی ادائیگی کے لئے قسطیں مقرر کرنا جائز ہے، البتہ اس میں ڈرج ذیل چند شرائط ہیں۔

(1) خرید وفروخت کی مجلس میں سونے پر قبضہ ہو جائے۔

(۲) اور قیمت اس دن کے بھاؤ کے مطابق ہو، ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔

(۳) قیمت کی ادائیگی کی مدت معلوم ہو، مثلاً ایک ہفتہ، ایک ماہ یا ایک سال۔

(۴) قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں قیمت کا اضافہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کوئی جرمانہ لگایا جائے۔

(ماهذه التبويب ٥٨/٧٢٢٧) في بحوث في قضايا فقهية معاصرة ١/٦٧...... ثم إن هذه الأوراق النقدية، و إن كان لا يجوز فيها التفاضل، ولكن بيعها ليس بصرف .... فيصح فيها التاجيل عند اختلاف الجنس، قال شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى: "إذا اشرى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز ...الخ، فصار البيع حينئذ بيعا بثمن مؤجل، وذلك جائز في الأجناس المختلفة....... وفيه أيضاً ١/ ولكن اختلاف الأثمان هذا إنما يجوز ذكرها عند المساومة، وأما عقد البيع فلا يصح إلا إذا اتفق الفريقان على أجل معلوم وثمن معلوم، فلابد من الجزم بأحد الشقوق المذكورة في المساومة. (ماخوذ از زیورات کے مسائل)

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط: ۱۲ از: میر امن دہلوی

(سیر دوسرے درویش کی:)

جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے۔ تب حاتم نے بادشاہ سے کہا اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے، مجھ کو لایا ہے، اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قبول کیا ہے پورا کرو کہ ساری ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہیے جو کہے سو کرے۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے۔ پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟ نوفل نے اس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا کہ سچ کہہ، اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اس بیچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا راست کہہ سنایا اور کہا حاتم میری خاطر آپ سے چلا آیا ہے۔

نوفل یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت اپنی جان کا بھی خطر نہ کیا۔ جتنے جھوٹ دعوے حاتم کو پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم ہوا کہ ان کی ٹنڈیاں کس کر پانچ سو اشرفی کے بدلے پانچ پانچ سو جوتیاں اس کے سر پر لگاؤ کہ ان کی جان نکل پڑے۔ وونہیں تڑ تڑ بیزا سریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر ان کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے، جھوٹ بولنا ایسی ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض ان سب کو موافق ان کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے کہ ایک عالم کو اس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے دشمنی رکھنی اور اس کا مدعی ہونا مرد آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا کیوں نہ ہو جب ایسی ہو تب ایسی ہو تو اضع تعظیم کر کر پاس بٹھلایا اور حاتم کو ملک و املاک اور مال و اسباب جو ضبط کیا وونہیں چھوڑ دیا، نئے سر سے سرداری قبیلہ طے کی اسے دی اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں خزانے سے دلوادیں وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا رئیس تھا، جن نے سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی بڑا داد و دہش سے نہیں۔ اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے اس کو عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے تو اس جتنا کچھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میر عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک مکان عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں، باہر شہر کے جلد بنواؤ۔

تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارت جیسا دل چاہتا تھا بن کر تیار ہوئی اور اس مکان میں ہر روز ہر وقت فجر سے شام تک محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا، اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اسے مالا مال کرتا۔ غرض چالیس دروازوں سے حاجت مند آتے اور جا چاہتے سو لے جاتے۔

ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا۔ میں نے اسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا، دو اشرفیاں مانگیں۔

میں نے پہچان کر درگزر کی اور دیں۔ اسی طرح اس نے ہر ایک دروازے سے اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا اور میں بھی جان بوجھ کر ان جان ہوا، اور اس کے سوا موافق دیا گیا۔ آخر چالیس دروازے کی راہ سے آ کر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوا دیں اتنا کچھ لے کر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت برا معلوم ہوا۔ میں نے کہا سن اے لالچی تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقیر کے تینوں حرفوں سے واقف نہیں؟ فقیر کا عمل ان پر چاہیے۔ فقیر بولا۔ بھلا داتا تم ہی بتاؤ میں نے کہا ''ف'' سے فاقہ، ''ق'' سے قناعت، ''ر'' سے ریاضت نکلتی ہے، جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے، اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا لے جائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے نہ جمع کرنے کے لیے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں، اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیری طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں اور اس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کے کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیے کہ ایک روز کی فکر کر لے اور دوسرے دن پھر نئی روزی رازق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کا کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟

فقیر یہ میری بات سن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا سب زمین میں ڈال دیا اور بولا۔ بس بابا اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام لیجیو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس منزل کو کب پہنچو؟ ابھی دلی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حروف ہیں۔ پہلے ان پر عمل کرو تب سخی کہلاؤ گے۔ جب میں ڈرا اور کہا بھلا داتا! اس کے معنی مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا۔ ''س'' سے سمائی، اور ''خ'' سے خوف الٰہی، اور ''ی'' سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہو لے، تو سخاوت کا نام لے، اور سخی کا درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔

اس فقیر نے بہت ملکوں کے سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی بادشاہ زادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا خاصہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے اور سب نام چاہتے ہیں، پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ بھی سن کر میں نے بہت منت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیے سو اور میرا دیا ہرگز نہ لیا اور یہ بات کہتا ہوا چلا۔ اب اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں اور نہ دھر ماروں، وہ تو چلا گیا پر بصرے کی بادشاہ زادی کی یہ تعریف سننے سے دل بے کل ہوا۔ کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسوصورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھا چاہیے۔ (جاری)

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ر شعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ میں انتظام ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: **جامعۃ السعادۃ للدارین پبلک اسکول** کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774
رابطہ نمبر: 09319530768 / 9359602830

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

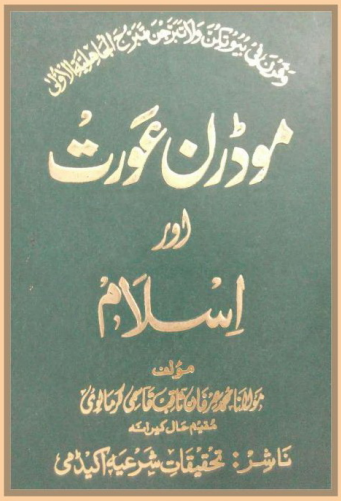

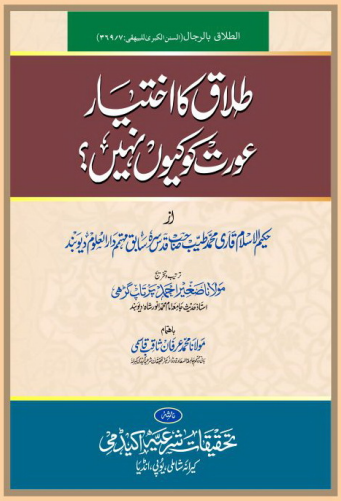

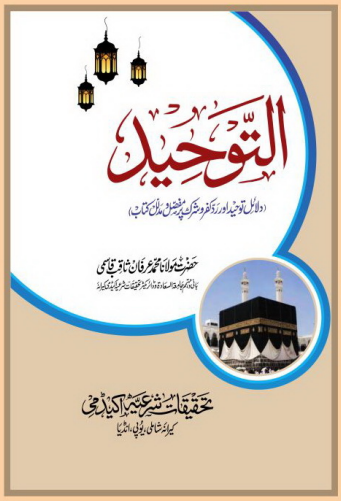

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768